امت میں اعتقادی و عملی بگاڑ

اور

علماءِ امت کی ذمہ داری

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی دامت برکاتہم

امت میں اعتقادی و عملی بگاڑ

اور

علماء امت کی ذمہ داری

از قلم:

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

(بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور)

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

نام کتاب	:	امت میں اعتقادی وعملی بگاڑ اور علماء امت کی ذمہ داری
مصنف	:	حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
سائز	:	
صفحات	:	۱۷۸
تاریخ طباعت	:	ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق جنوری ۲۰۱۴ء
ناشر	:	مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور
موبائل نمبر	:	9634307336 9036701512
ای۔میل	:	maktabahmaseehulummat@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

تیسرا باب

اصلاحی اقدام کی ضرورت

اور علماءِ امت کی ذمہ داریاں

چوتھا باب

(۱) اکابر اسلاف کا باطل فرقوں وبدعات

کے خلاف محاذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

زیرِنظر کتاب ''امت میں اعتقادی وعملی بگاڑ اور علماء امت کی ذمہ داری'' نام ہی سے اپنے موضوع ومضمون کی نشاندہی ووضاحت کر رہی ہے اور اس کی اہمیت بھی ہراس شخص کے نزدیک واضح ہے، جو امت کے متغیر حالات ومتلون کیفیات کا جو دن بدن تنزلی وابتری کی جانب رخ کرتے جارہے ہیں۔ متجسس نگاہوں سے اور متیقظ دل سے مطالعہ کرتا ہو اور اسی کے ساتھ ان حالات وکیفیات کو بدلنا چاہتا ہو اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں اصلاح وتزکیہ کا خواہش مند ہو۔

یہ مختصر کتاب امت کے ان بگڑے ہوئے احوال کی نہ کوئی مفصل جائزہ ہے اور نہ ان احوال کا کوئی مکمل علاج؛ بلکہ یہ درحقیقت ان احوال وکیفیات کا ایک سرسری جائزہ ہے اور ان کی طرف ایک مجمل اشارہ ہے۔ اور اس سے مقصود حضراتِ علماء امت کی توجہات کو جنھیں وارثین انبیاء کہا گیا ہے اور نیز امت کے دیگر سنجیدہ وفکرمند افراد واشخاص کی توجہات کو اس جانب مبذول کرانا ہے، تاکہ اس اعتقادی وعملی بگاڑ کی روک تھام کے لئے کوئی مستحکم ومضبوط اجتماعی قدم اٹھایا جاسکے، اور اصلاحی ودعوتی مشن وتحریکات کو منظّم کیا جاسکے۔

اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحریر شائع کی جارہی ہے، مجھے امید ہے کہ علماء کرام اور

ملت کے اصحاب فکرو دانش حضرات ان معروضات پر غور کریں گے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو حساس دماغ، فکرمند دل اور ترجمان حق زبان عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد شعیب اللہ خان
الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور۔
۱۵؍شوال ۱۴۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد سید المرسلین ، اما بعد :

اسلام کی آمد سے قبل لوگ جاہلیت کے شکار تھے،اور وہ دور دورِ جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،جس کے عناصر میں جہالت ولاعلمی ، بے ایمانی و بے یقینی ،فسق و فجور و بے حیائی ،تہذیب وشائستگی سے بعد ودوری ،اخلاقی اقدار کی گراوٹ وکمزوری ، مادیت پرستی ودنیا طلبی وغیرہ چیزیں شامل و داخل تھیں ،جن کے نتیجہ میں پورا معاشرہ انتہائی خطرناک قسم کے جرائم ورذائل کا مرتکب بنا ہوا تھا،اور جرائم بھی صرف انفرادی حیثیت کے نہیں ، بلکہ اجتماعی قسم کے تھے۔ایک طرف پورا سماج اپنے خالق و مالک سے بے تعلقی و دوری ،غفلت و نا سپاسی کا شکار تھا،تو دوسری جانب انسانیت کے اصول اور شرافت کے اقدار سے بھی کوسوں دور ہو چکا تھا اور قتل و غارت گری ، عداوت ودشمنی ،قطع رحمی وقساوت قلبی ،نزاع ولڑائی وغیرہ رذائل وجرائم ان لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔یہی وہ امور ہیں ،جن کے تسلط وغلبہ نے اس دور وزمانے کو جاہلیت کا دور بنا دیا تھا۔

مگر موجودہ زمانہ جو ترقیات وتطورات کا زمانہ کہلاتا ہے،سائنسی وعصری علوم کی بہتات کا زمانہ کہا جاتا ہے اور مختلف قسم کی نئی نئی ایجادات ومصنوعات کی ریل پیل کا

دور مانا جاتا ہے، اس میں غور کیا جائے، تو جاہلی دور کے وہ سارے عناصر یہاں بھی کارفرما نظر آتے ہیں اور پوری شدت وقوت کے ساتھ اپنا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ علم وعقل کی روشنی کا دور ہے؛ مگر جہالت وضلالت کی تاریکیاں یہاں بھی پورے طور پر اپنا اڈہ جمائی ہوئی ہیں۔

اس سے زیادہ قابل افسوس وحیرت یہ ہے کہ امت اسلامیہ جس کو اللہ تعالی کی طرف سے امتِ وسط اور امتِ خیر کے بلند القاب کے ساتھ ملقب کیا گیا تھا، اور جس کی بعثت ہی خیر و بھلائی کی تبلیغ ودعوت، معروفات کی نشر واشاعت اور منکرات کے ازالے اور روک تھام کے لئے ہوئی تھی اور جس کے حق میں یہ کہا گیا تھا کہ

﴿ كُنتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ﴾

(آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو، جس کو لوگوں کے نفع کے لئے برپا کیا گیا ہے، تم اچھی باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ پر ایمان لاتے ہو)

آج اس امت کا ایک بڑا طبقہ جاہلیت وجہالت کی ان وادیوں میں بھٹکتا اور گمراہی وضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ان کی زندگیوں میں وہی جاہلی عناصر موجود ہیں، وہی بے ایمانی و بے یقینی، وہی خدا سے بعد و دوری، وہی مادیت پرستی ودنیا طلبی، وہی اخلاقی گراوٹ وکمزوری، وہی فحش و بے حیائی، وہی ظلم وزیادتی، وہی عدوان وسرکشی، وہی بغض ودشمنی، وہی قتل وغارت گری یہاں بھی نظر آتے ہیں، جو وہاں موجود تھے۔

اس صورت حال کی عکاسی کسی عربی شاعر کا یہ شعر پوری طرح سے کر رہا ہے،

گویا خود ہر صاحب ایمان کے دل کی صدا ہے:

لِمِثْلِ هٰذَا يَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ كَمَدٍ

إِنْ كَانَ فِيْ الْقَلْبِ إِسْلَامٌ وَ إِيْمَانُ

(اگر دل میں اسلام وایمان کا کوئی بھی حصہ موجود ہو، تو اس جیسی صورت حال پر دل غم کے مارے پگھلنے لگتا ہے)

چنانچہ جائزہ لیجئے، تو معلوم ہوگا کہ عقائد وایمانیات کا باب ہو یا اعمال و عبادات کا، معاشرت کا باب ہو یا معاملات کا، اخلاقیات کا باب ہو یا سیاسیات کا، ہر باب میں ہم اسلامی رہنمائی وہدایت، اسکی تعلیم وتلقین اور اسکے احکام وفرامین سے دور ہو چکے ہیں یا دور ہوتے جا رہے ہیں؛ بلکہ اب بہت سے لوگ کسی چیز میں یہودی فلسفے کو اپناتے ہیں، تو کسی میں نصاری کو قائد مانتے ہیں، کسی چیز میں امریکی نظریات کا سہارا لیتے ہیں، تو کسی میں ہندو مت کا حوالہ لیتے ہیں۔ بالفاظ دگر یوں کہئے کہ ہمارے اندر سے حاسہ مذہبی مفقود ہو چکا ہے، دین طلبی کی جگہ دین بیزاری نے لے لی ہے، روحانیت کا ہم نے مادیت سے تبادلہ کر لیا ہے، ذوق خدا طلبی نے دنیا طلبی کے لئے جگہ خالی کر دی ہے، فکر آخرت پر حب دنیا غالب آ چکی ہے۔

اس طرح موجودہ مسلم معاشرے کی بنیاد خالص اسلام کے بجائے - ایسا لگتا ہے کہ - مختلف افکار ونظریات، جدید رجحانات وخیالات اور جاہلانہ رسومات و رواجات کا ایک مرکب بن گئی ہے۔ امت کا جو پرانا طبقہ ہے، وہ تو رسم ورواج، بدعات ولغویات کے چکر میں پڑا ہوا ہے، جبکہ نئے ذہن کے لوگ جدت پسندی، نئے افکار ورجحانات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

پہلا باب

ایمان وعقیدے میں بگاڑ

ان امور میں سے سب سے زیادہ قابل لحاظ عقائد وایمانیات کا باب ہے؛ کیونکہ عقائد وایمان پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ اگر عقیدہ صحیح ومضبوط ہے، تو اعمال وعبادات بھی قابل اعتبار ہوتے ہیں؛ ورنہ ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا؛ لیکن جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں، تو لگتا ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے توحید وشرک کے اس فرق وامتیاز سے واقف نہیں، جو اسلام کی لطیف وعمیق تعلیم نے پیش کی ہے؛ اس لئے بہت سے اہل اسلام توحید سے دور اور شرک سے بہت قریب ہو چکے ہیں؛ بلکہ شرک جلی کے منحوس اثرات سے بھی بعض لوگ متاثر نظر آتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں میں ایمان کی کمزوری، اعتماد علی اللہ وتوکل علی اللہ کا فقدان، مظاہر ومقابر پرستی کا رجحان حیرت ناک طریقہ پر اپنے عروج کو پہنچا ہوا ہے۔

پہلی فصل

توحید اسلام کا اساسی عقیدہ

اس امت کی بنیاد واساس اس عقیدۂ توحید پر قائم ہے، جس میں شرک کے نام کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ عقیدۂ توحید جو بڑا حساس ونازک ہے، جس نے دیگر مذاہب کے لحاظ سے اس سلسلہ میں ایک امتیازی تعلیم پیش کی ہے۔

اس عقیدے کی جامع ترین تعریف علامہ حافظ ابن احمد حکمی نے بیان کی

ہے، وہ اللہ کے احد وفرد ہونے کی تشریح یوں کرتے ہیں:

" الأحَدُ الْفَرْدُ : الَّذِيُ لا ضِدَّ لَهٗ ، وَلَا نِدَّ لَهٗ ، وَ لا شَرِیْکَ لَهٗ ، فِي إلٰهِيَّتِهٖ ، وَ رُبُوْبِیَّتِهٖ ، وَ لَا مُتَصَرِّفَ مَعَهٗ فِي ذَرَّةٍ مِنْ مَلَكُوتِهٖ ، وَ لَا شَبِیْهَ لَهٗ ، وَ لا نَظِیْرَ لَهٗ فِي شَيْءٍ مِنْ أسْمَائِهٖ ، وَ صِفَاتِهٖ "

(وہ یکتا وتنہا ہے، جس کا اس کی عبادت یا ربوبیت میں نہ کوئی مقابل ہے، نہ برابر ہے، نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کے ساتھ اس کی حکومت کے کسی ذرہ میں کوئی تصرف کرنے والا ہے اور نہ اس کے ناموں وصفتوں میں اس کی کوئی مثال ونظیر ہے)۔

(معارج الوصول:۱/۸۸)

اس بیان سے توحید کی شرعی تعریف بالکل واضح ہوگئی اور اس کا خلاصہ یہی کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالے اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اپنے ناموں میں بھی اور کاموں میں بھی " لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ " (کوئی شی اس کے مثل نہیں ہے) کا مصداق، اور ہرلحاظ سے "وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ" ہے۔

اس تعریف کو پیش نظر رکھ کر جب امت کے لوگوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو بہت سے لوگوں میں اس عقیدے کے خلاف غالیانہ رجحانات ومشرکانہ خیالات، افعال و اعمال، طور طریقے ملتے ہیں۔ یہاں چند امور کی جانب صرف اشارہ کرتا ہوں، جن سے صورت حال پر روشنی پڑتی ہے۔

جھنڈوں اور پنجوں پر یقین

ایمان وتوحید سے روگردانی کرتے ہوئے بعض جاہل و نادان لوگ بزرگوں

کے نام کے جھنڈے بناتے اور اپنے گھروں یاد کانوں یا کسی اور جگہ ان کو گاڑتے ہیں اور بعض لوگ امام حسین اور ان کے خاندان کے لوگوں کے نام کے پنجے (یعنی سر و ہاتھ یا چہرہ وغیرہ اعضاء کے نقشے) بناتے ہیں اور تعزیہ بھی تیار کرتے ہیں اور قبروں کی طرح ان کی بھی نذر و نیاز ، منت و چڑھاوا، طواف وسجدہ وغیرہ سب کچھ کیا جاتا ہے، اور ان کی عقیدت ومحبت کو دین کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ دین کا بھی صرف نام ہی نام لیا جاتا ہے اور درحقیقت یہ لوگ دین کے نام سے بیزار ہوتے ہیں اور صرف اسی قسم کی چیزوں کو مانتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

فال اور عاملوں کا دور دورہ

امت مسلمہ کی زبوں حالی میں اضافہ اور ان کی ایمانی کمزوری میں بڑھاوے کا ایک بہت بڑا ذریعہ امت میں پھیلے ہوئے پیشہ ور عاملین اور فال دیکھنے والے ہیں، ان لوگوں نے امت کو شرک کی ایک اور دنیا میں پہنچا دیا ہے، ان میں جو موٹی موٹی باتیں اس قبیل کی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) بیشتر پیشہ ور عاملین کا عمل جنات وشیاطین سے استمداد و استعانت سے ہوتا ہے، یہ شرک ہے۔

(۲) اکثر عامل غیب کی خبریں فال کی بنیاد پر بتاتے ہیں اور لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے جا جا کر غیب کی باتیں پوچھتے ہیں کہ چوری ہوگئی ہے، اس کے بارے میں بتائیے کہ چور کون ہے؟ فلاں شخص غائب ہوگیا ہے، بتائیے کہ کہاں گیا ہے؟ وغیرہ، اور اس کے لئے یہ عامل لوگ بعض وقت انجن دیکھتے اور بعض وقت کسی اور طریقے سے عمل کر کے بتاتے ہیں کہ چوری فلاں نے کی اور فلاں شخص وہاں ہے یا تم پر فلاں نے جادو کیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں گھر ٹوٹ جاتے اور رشتہ

داریوں میں پھوٹ بھی پڑ جاتی ہے۔

اور پھر اس معاملہ میں بعض عامل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے قرآنی آیات و ادعیہ ماثورہ بھی پڑھتے ہیں؛ تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ یہ قرآن و اسلامی عمل ہے۔ یہ سب کا سب دھوکہ ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے ایک بات پوچھی تھی اور اس نے جو بتائی، وہ اسی طرح ثابت ہوئی؛ لہذا یہ سب سچ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کسی بات کا سچ نکل آنا، اس کی دلیل نہیں کہ سب کچھ حق ہے؛ کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کے بارے میں بتایا کہ شیاطین ان کے کان میں فرشتوں سے سنی ہوئی کوئی بات اپنی جانب سے ننانوے جھوٹ ملا کر ڈال دیتے ہیں اور وہ کاہن لوگ جب بیان کرتے ہیں تو ایک دو سچی باتیں بھی ظاہر ہوتیں ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ سب حق ہی حق ہے۔

(بخاری:۳۲۱۰، مسلم:۵۹۵۳، مسند احمد:۲۴۶۱۴)

(۳) ان عاملین کے پاس جو اپنی مصیبت و پریشانی لیکر جاتا ہے، اس کو یہ لوگ غیر شرعی و شرکیہ اعمال بھی بتاتے ہیں کہ یہ کرو، مثلاً کچھ عجیب قسم کے اُتارے اور چڑھاوے، نیز مزارات پر حاضری، اور وہاں نذر و منت ماننا وغیرہ۔ اس طرح یہ عاملین اس شرک کے کاروبار میں لوگوں کو ڈھکیلتے رہتے ہیں۔

مزاراتِ اولیاء اللہ غلو پسندی کے مظاہر

اولیاء اللہ کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر کے ان کی عقیدت و محبت کے نام پر ان کے مزارات پر غلو پسندی اور عقیدت میں تجاوز کے عجیب و غریب مظاہر پیش کئے

جاتے ہیں: گنبد وقبے بنائے جاتے ہیں، شمع وچراغ جلائے جاتے ہیں، چادر چڑھائی جاتی ہے، گاگر، پنکھے کے جلوس نکالے جاتے ہیں، صندل کا لیپ کیا جاتا ہے۔ پھر وہاں طواف وسجدے بھی کئے جاتے ہیں، مراقبے واعتکاف بھی کئے جاتے ہیں، منتیں ونذریں بھی مانی جاتی ہیں، جانور بھی ان پر قربان کئے جاتے ہیں، فاتحہ و عرس کے میلے لگائے جاتے ہیں اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ مزید یہ کہ گانے بجانے اور ناچ ورنگ کی محفلیں بھی جمائی جاتی ہیں۔ پھر دیکھئے: تو کوئی وہاں کے ستونوں سے چمٹا ہوا عرض معروض کر رہا ہے، کوئی سسکیاں بھر رہا ہے، کوئی جوش عقیدت میں چیخ رہا ہے، کوئی اپنی مصیبتوں کی داستان سنا کر التجائیں کر رہا ہے، کوئی عقیدت کے مظاہرے کے لئے پھولوں کا نذرانہ لا رہا ہے، کوئی ادب وہیبت کے لحاظ سے دم بخود ہے، کوئی رو رو کے بے قراری کو سکون پہنچا رہا ہے، عورتوں کا ایک ہجوم ہے، جو ان سارے کاموں میں شریک وسہیم ہے؛ بلکہ وہی گویا اس سارے کاروبار کی اصل داعی ومحرک ہیں۔

اس سلسلہ میں ان احادیث کا مطالعہ کیجئے اور فیصلہ فرمایئے کہ اس صورت حال میں اوران احادیث میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے؟

◆ ابوالھیاج اسدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

« أَلا أَبعثُکَ علی ما بَعَثَنِي علیه رَسُولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ؟ أنْ لا تَدَعَ تِمْثالًا إلاّ طَمَسْتُه ، و لا قَبْراً مُشرفاً إلّا سوّيتُه »

(کیا میں تم کواس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے اللہ

کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، یعنی یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو مٹا دوں، اور نہ کوئی اونچی قبر کو چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں)

(مسلم:۹۶۹، واللفظ لہ۔ ابوداؤد:۳۲۱۸۔ ترمذی:۱۰۴۹۔ نسائی:۲۳۱۔ مسند احمد:۱۴۱۷۔ مستدرک:۵۲۴/۱۔)

◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

« نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ أَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَ أَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ »

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔

(مسلم:۹۷۰۔ مسند احمد:۱۴۱۸۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ:۲۵/۳۔ مشکوٰۃ ۱۴۸)

◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

« لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

(ابوداؤد:۳۲۳۶۔ ترمذی:۳۲۰۔ نسائی:۲۰۴۳۔ احمد:۲۰۳۰۔ ابنِ حبان: ۴۵۲/۷۔ مستدرک:۵۳۰/۱۔ مشکوٰۃ:۷/۱۔)

ان احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے ،ان کی لپائی کرنے ،ان پر چراغ روشن کرنے ، اورعورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے؛مگر اس کے بالکل برخلاف مزارات پر ہورہا ہے۔

الغرض غیر مسلم وعجمی اقوام کے اختلاط واثر ونفوذ اور جاہل وگمراہ قسم کے صوفیوں کے جاہلانہ وگمراہانہ خیالات ومراسم نے مسلم معاشرے کومشرکانہ عقائد ورسوم کی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہود ونصاری کی نقالی وتقلید میں مسلمانوں نے بھی وہی سب کچھ جاری کرلیا، جوان لوگوں کے یہاں ہوا کرتا ہے۔

اسی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''الفوز الکبیر''میں کہتے ہیں کہ

'' و إن كنت غيرَ مُهتدٍ في تصوير حال المشركين و عقائدهم و أعمالهم ، فانظر إلى حال المحترفين من أهل عصرنا ، لا سيما الذين يقطُنون منهم بأطراف دار الإسلام ، ما هي تصوراتهم عن الولاية ؟ فمع أنهم يعترفون بولاية الأولياء المتقدمين يرون وجودَ الأولياء في هذا العصر من قبيل المستحيلات ، و يذهبون إلى القبور و العتبات ، و يرتكبون أنواعاً من الشرک ، و كيف تطرّق إليهم التشبيه والتحريف ؟ و نرى طِبقَ الحديث الصحيح : '' لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ'' أنه ما من بلية من البلايا إلا و طائفة من أهل عصرنا يرتكبون أو يعتقدون مثلها ، ''

(الفوز الکبیر:۲۴)

(اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کا حال نہ سمجھ سکے ہوں، تو ہمارے زمانے کے پیشہ ورمجاوروں کا حال دیکھ لیا جائے، خصوصا جو دار الاسلام یعنی دہلی کے اطراف واکناف میں رہتے ہیں کہ ان کا ولایت کے بارے میں کیا تصور ہے؟ یہ لوگ باوجود یکہ متقدمین میں اولیاء کے قائل ہیں؛ مگر موجودہ دور میں اولیاء اللہ کے وجود کو از قبیل محالات سمجھتے ہیں اور اسی لئے پہلے کے اولیاء اللہ کی مزاروں پر اور آستانوں پر جاتے اور قسم قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھو کہ کس طرح ان میں تشبیہ یعنی غیر اللہ سے اللہ کو تشبیہ دینے اور دین میں تحریف کرنے کی باتیں پائی جاتی ہیں اور ہم تو حدیث صحیح ''کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ضرور اتباع کروگے'' کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کفر و شرک وغیرہ بلاؤں میں سے ہر بلا کا ارتکاب کوئی نہ کوئی طبقہ کرتا ہے اور اس جیسی بات کا عقیدہ جمالیتا ہے۔)

اب فیصلہ کیجئے کہ کیا ان مزارات والوں اور قبر پرستوں کا اسلام وہی ہے، جو قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا دونوں میں کوئی ادنی درجے کی مناسبت و موافقت نظر آتی ہے؟ یا دونوں میں کھلا ہوا تضاد واختلاف نظر آتا ہے؟ کیا کوئی اس بات کی ہمت کرسکتا ہے کہ ان سب باتوں کو یہ کہہ کر پیش کرے کہ یہی سب کچھ وہ دین ہے، جو محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لے کر آئے تھے اور جس کے نفاذ و قیام کے لئے آپ نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے محنت ومجاہدہ کیا تھا اور اس کے لئے جان ومال کی بے نظیر و بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں؟

جھوٹی قبروں، طاقوں اور درختوں کی نذر و نیاز

یہاں یہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ مزارات کے نام سے جب شیطان نے لوگوں کو قسم ہا قسم کے شرکیہ عقیدوں اور اعمال میں مبتلا کیا اور ان کے دین و ایمان سے کھیل تماشا کرنے لگا، تو اس نے کچھ واقعی اولیاء اللہ کی قبروں کے ساتھ ساتھ کچھ غیر واقعی جھوٹی قبروں کا بھی ایک سلسلہ جاری کر دیا؛ یہاں تک کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے ''اولیاء اللہ'' کے نام پر جانوروں اور عام لوگوں کی قبروں کو بھی قبر پرستی کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ اس طرح شیطان نے اولیاء اللہ کی سخت ترین توہین کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیا۔

اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ درختوں اور طاقوں میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہاں بعض اولیاء اللہ یا شہداء کرام رہتے ہیں؛ اس لئے نذر و نیاز و طواف و سجدے وہاں بھی کیا کرتے ہیں۔

اس کا شرک ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے اور لغو و بے ہودہ ہونا خود عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ اس بارے میں بریلوی مکتب فکر کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی ایک فتویٰ اس کے واہیات و خرافات ہونے کا دیا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، تو جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ

''یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں، ان کا ازالہ لازم ہے۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ،وَلاَ حَوْلَ وَلاَ

قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ .واللّٰه سُبحانه وتعالى أعلم"۔

(احکام شریعت :۱/۲۳)

کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں پر اعتماد

بہت سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں وغیرہ کو بیماری یا مصیبت یا رزق میں تنگی وحاجت وضرورت وغیرہ میں مؤثر سمجھتے ہوئے ان کو استعمال کرتے ہیں۔کوئی دھاگہ باندھتا ہے،کوئی ہاتھوں میں کڑا پہنتا ہے،کوئی گلے میں مالا ڈالتا ہے،کوئی انگلیوں میں انگوٹھی پہنتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میرا فلاں مسئلہ حل ہوجائے گا اور فلاں مصیبت دور ہوجائے گی وغیرہ۔

بعض لوگ بازو پر یا ہاتھ میں دھاگہ باندھ لیتے ہیں اور اس پر عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ یہ باندھنے سے ایسا ہوجائے گا، یہ مسئلہ حل ہوجائے گا یا بیماری چلی جائے گی وغیرہ۔بعض لوگ انگوٹھی میں بعض خاص قسم کے پتھر عقیق، فیروزہ وغیرہ لگاتے ہیں اور اس سے بھی عقیدہ جما لیتے ہیں کہ اس سے یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ یہ بھی اسلام کی رو سے غلط وباطل ہے۔

حالانکہ ایک توحید پرست کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اعتماد وبھروسہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک پر کرے۔اس سلسلہ میں یہ احادیث ملاحظہ کیجئے:

◆ بکر بن سوادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ صداء کے ایک صاحب نے ان کو بتایا کہ ہم بارہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ہم نے آپ سے بیعت لی؛ مگر آپ نے ہم میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا،اس کو بیعت نہیں کیا

۔ہم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ! اس کو بھی بیعت فرما لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا، جب تک کہ وہ اس چیز کو نکال نہ ڈالے، جو ہم میں سے کسی پر ہو، تو وہ جب تک اس پر ہوگی، مشرک ہوگا۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا، تو اس کے بازو پر درخت کے چھلکے یا جادو کی کوئی چیز ہے۔

(شرح معانی الآثار:۲/۳۶۰)

◆ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک کڑا تھا۔آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ''واھنہ''(مردوں کے بازو میں ہونے والی ایک بیماری) کے لئے (گنڈا) ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نکال دے، یہ تو تجھے (ایمان کے لحاظ سے) اور بھی بیمار کرے گا۔

(ابن ماجہ:۳۵۳۱۔مسند احمد:۲۰۰۱۴۔صحیح ابن حبان:۱۳/۴۴۹۔)

◆ حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا اور اس پر پیتل کی انگوٹھی تھی ۔آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ واھنہ بیماری کے لئے ہے۔فرمایا کہ یہ تو اور زیادہ تجھے کمزور کرے گی۔

(معجم کبیر طبرانی:۷۶۰۰)

◆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی عیادت کی، تو

اس کے بازو پر سیر (چمڑے کا ٹکڑا) بندھا ہوا دیکھا، تو اس کو کاٹ دیا یا نکال دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ [یوسف:۱۰۶] (اوران میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے؛ مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنے والے ہیں)

(تفسیر ابن کثیر:۲/۶۴۹۔)

ان احادیث و آثار میں جس بات پر زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اعتماد و توکل ہر بات میں اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے، نہ کہ کسی اور چیز پر؛ ہاں کسی چیز کا کسی بات کا سبب ہونا شرعی دلیل سے یا عمومی تجربے سے یا علم و تحقیق کی بنا پر ثابت ہو، تو اس کو محض ایک سبب کی حیثیت سے اختیار کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ یہ مانتا ہو کہ اس سبب میں بھی طاقت وقوت اللہ تعالی ہی کے دینے یا رکھنے سے ہے۔

الغرض جس چیز کا شرعی دلالت یا علمی مہارت یا تجربے سے بیماری کی دوا یا پریشانی کا علاج ہونا ثابت ہو، اس کو بیماری و بلاء کے آنے کے بعد بطور علاج استعمال کرے، تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن جس چیز کے بارے میں نہ شرعی دلیل سے ثابت ہو، نہ علمی تحقیق سے معلوم ہوا اور نہ تجربے سے پتہ چلے کہ یہ فلاں چیز کے لئے شفاء ہے یا فلاں پریشانی کے لئے علاج ہے، تو اس کو محض وہم و گمان سے استعمال کرنا ایک جانب بے وقوفی ہے، تو دوسری جانب بدعقیدگی کی علامت ہے۔

عورتوں میں بدعقیدگی کے جراثیم

عورتوں میں ایمانی کمزوری و بداعتقادی کا سلسلہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے؛ حتی کہ بعض جگہ عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ اسلامی برقعوں کے ساتھ

چرچوں اور مندروں کی چوکھٹ پر، اور چرچوں کے پادریوں اور مندروں کے پجاریوں کے پاس بھیڑ لگائی ہوئی ہیں اور یہ اس لئے کہ کسی کو بچہ چاہئے، کسی کو شوہر کی محبت درکار ہے، کسی کو مصیبت سے رہائی مطلوب ہے، کسی کو اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کروانا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سب مسائل کا حل مندروں و چرچوں میں وہاں کے پادریوں یا پجاریوں سے ہو جائے گا۔

خدا را غور کرو کہ مذھبِ اسلام کی تعلیم عقیدے کے بارے میں کیا ہے اور یہ لوگ کہاں اور کیسے بھٹک رہے ہیں؟

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو آپ نے اپنی مرید ایک نیک خاتون کی جانب روانہ کیا تھا، اس میں عورتوں کے اندر کی بدعقیدگی و ایمانی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''اکثر عورتیں اپنی کمالِ جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد (غیر اللہ سے مدد چاہنے) میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمی اسماء سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک اور مشرکین کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں۔ یہ بات ان کی نیک و بد سے چیچک کی وباء پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلہ کہتے ہیں، مشہود محسوس ہے، کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی، جو اس باریک شرک سے خالی ہو اور استمداد کی رسموں میں سے کوئی رسم کا اقدام نہ کرتی ہو؛ مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔
>
> اور ہندوؤں کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بجالانا بھی شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب

ہے، جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمانوں خصوصاً
ان کی عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتے، اسے عید مناتے ہیں اور
کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں
تحفے تحائف بھیجتے ہیں الخ۔

(مکتوبات امام ربانی جلد سوم، مکتوب:۴۱)

اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ عورتوں کے اندر کہاں تک شرک و کفر کے جراثیم سرایت کر جاتے ہیں کہ حضرت امام ربانی کو مستقل اس کا شکوہ کرنا پڑا۔ یہ اس زمانے کی عورتوں کا حال ہے، تو اس زمانے کا کیا حال ہوگا؟

دوسری فصل

ایمان کی کمزوری اور وہم پرستانہ نظریات

توحید کے خلاف ذہنیت نے عوام الناس میں عجیب وغریب وہی زمانۂ جاہلیت کی باتیں پیدا کردی ہیں، جن کو اسلام نے جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی تعلیم دی ہے، جیسے بدفالی اور بدشگونی اسلام میں جائز نہیں؛ بلکہ اس کو خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے؛ مگر اس کے باوجود بہت سے جاہل طبقوں میں اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں وہم پرستانہ مزاج پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے باطل باتوں پر یقین ہونے لگتا ہے۔ مثلاً

دنوں اور تاریخوں کو منحوس جاننا

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں دن یا تاریخ منحوس ہے؛ اس لئے اس میں کوئی نیا کام نہیں کرتے، جیسے بعض لوگ محرم میں نکاح وشادی کی تقریب کو منحوس سمجھتے ہیں،

اسی طرح ماہ صفر کو منحوس سمجھتے اور اس میں ابتدائی تیرہ دنوں تک ۔جن کو یہ لوگ ''تیرہ تیزی'' کہتے ہیں۔کوئی نیا کاروبار یا شادی وغیرہ نہیں کرتے اور بعض لوگ منگل کے دن کو ناکامی ونحوست کا دن سمجھتے اور اس میں شادی وغیرہ تقریبات سے احتراز کرتے ہیں،اسی طرح بعض لوگ بعض تاریخوں میں سفر کرنے کو منحوس و برا خیال کرتے ہیں اوران ایام وتاریخوں میں ناکامی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ اس قسم کے عقیدے کو اللہ کے رسول علیہ السلام نے باطل قرار دیا ہے؛ کیونکہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات واقع نہیں ہوتی ،نہ اچھی نہ بری،تو ان دنوں اورتاریخوں کو بلا دلیل مبارک یا منحوس ماننا شرک کا ایک شعبہ ہے۔

ایک اہم علمی فائدہ

یہاں بطور علمی افادے کے یہ بات ذکر کردینا مناسب ہے کہ بعض لوگ بعض دنوں کے منحوس ہونے پر بعض روایات سے استدلال کرتے ہیں؛مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

ایک تو اس حدیث سے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ

''يَوْمُ الْأَرْبِعَاءِ يَوْمُ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ'' (بدھ کا دن ہمیشہ کا منحوس دن ہے)اور بعض میں ماہ کے آخری بدھ کو منحوس کہا گیا ہے۔

مگر اس قسم کی احادیث کو علماء محدثین نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ ابن الجوزی نے ''الموضوعات'' میں لکھا ہے کہ

یہ احادیث رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں۔ (الموضوعات:۲/۷۴)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور بدھ کی تعریف و تنقیص دونوں کے بارے میں احادیث آئی ہیں، جو سب کی سب واہی وضعیف ہیں۔

(الاسرار المرفوعہ:۳۹۶)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

امام صغانی رحمہ اللہ اور امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا اور خطیب بغدادی نے اس کو روایت کیا ہے، جس کی سند میں جھوٹا راوی ہے اور اس کو مردویہ نے روایت کیا، جس کی سند میں متروک راوی ہے۔

(اللآلی المصنوعہ:۴۳۸/۱)

اسی طرح بعض اور روایات بھی بدھ کے دن کی برائی و مذمت میں نقل کی گئی ہیں؛ مگر سب کا حال ایسا ہی ہے کہ ان کی سندوں میں متہم وکذاب و متروک قسم کے راوی پائے جاتے ہیں۔

(دیکھئے: اللآلی المصنوعہ:۴۴۱/۱-۴۴۲)

الغرض اولاً تو یہ احادیث سند کے لحاظ سے کوئی مضبوط نہیں، دوسرے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خود بدھ کے دن کے بارے میں بعض احادیث میں اس کے خلاف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مبارک دن ہے۔ چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ:

« مَا بُدِئَ بِشَيْءٍ يَوْمَ الأَرْبَعاءِ إلَّا تَمَّ »

(جو کام بدھ کے دن شروع کیا جاتا ہے، وہ مکمل ہوتا ہے)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں بھی بتایا کہ یہ "لا اصل" ہے؛ مگر

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

ہمارے ائمہ میں سے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اسی کے موافق ان کا عمل تھا۔ (الاسرار المرفوعہ:۳۹۶)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

میرے نزدیک پسندیدہ دن جس میں سفر کیا جائے، نکاح کیا جائے اور بچوں کی ختنہ کی جائے، وہ بدھ کا دن ہے۔

(المقاصد الحسنۃ:۱/۴۴۷۔ کشف الخفاء:۲/۳۹۷۔)

ان احادیث سے بدھ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا یہ دو قسم کی متعارض احادیث بدھ کے سلسلے میں ملتی ہیں۔ اگرچہ دونوں بھی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور اگر ان روایات کو کسی درجے میں تسلیم کرلیا جائے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بدھ کا دن منحوس ہے؛ بلکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

برصورتِ صحتِ حدیث یہ دراصل اس آیت کی تفسیر ہے: ''یَوْمَ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ'' (قوم عاد پر منحوس دن میں عذاب آیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں پر جس دن عذاب آیا، وہ بدھ کا دن تھا، جو ان اللہ کے دشمنوں کے حق میں منحوس تھا اور اللہ کے دوستوں کے حق میں وہ دن مبارک تھا۔ اسی طرح جو دوسرے دنوں کے بارے میں مروی ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

(الاسرار المرفوعہ:۳۹۶)

اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں طویل کلام کیا ہے۔ اولاً اس سلسلے کی احادیث کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض میں بعض ایام کی فضیلت آئی ہے اور

بعض میں مذمت ، پھر حضراتِ علماء کا کلام ان کی تطبیق میں نقل کیا ہے ۔ایک قول بعض کا یہ نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ’’بدھ کا دن منحوس ہے‘‘ یہ بطور بد فالی کے نہیں ہے ؛ کیونکہ بد فالی و بدشگونی دین اسلام کا طریقہ نہیں ؛ بلکہ جاہلیت کی رسم اور نجومیوں و کاہنوں کا قول ہے اور ان کا قول دین سے خارج ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے خوف دلانا اور ڈر پیدا کرنا ہو، یعنی یہ کہ اس دن سے ڈرو؛ کیونکہ اس میں عذاب نازل ہوا تھا اور لوگوں کو ہلاک کیا گیا تھا؛ لہذا توبہ کی تجدید کرو، اس ڈر سے کہ کہیں ان لوگوں کی طرح تم پر بھی عذاب نہ آجائے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ جب بادل دیکھتے ،تو خوف کھاتے ؛یہاں تک کہ جب بارش ہوجاتی ،تو آپ کو اطمینان ہوتا اور یہ فرماتے تھے کہ مجھے اس کا اندیشہ تھا کہ پچھلی قوموں کی طرح کہیں عذاب نہ آجائے ۔اور جیسے آپ نے قوم عاد وثمود کی بستیوں پر سے گزرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہاں سے روتے ہوئے گزرو۔

اور علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس دن کی نحوست اس کے حق میں ہے، جو اس دن کو منحوس سمجھتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو چھوڑے ہوئے بدشگونی لیا کرتا ہے۔بعض نے کہا کہ بدشگونی تو شرعی لحاظ سے مکروہ و بری بات ہے؛مگر ہاں کسی کو اس دن کوئی بلا و مصیبت پیش آجائے ،تو وہ اس دن کوئی تصرف و کام کرنے سے رک جائے ،تو اس کی اجازت ہے ؛مگر بطور بد فالی یا اس اعتقاد کے نہیں کہ اس سے کوئی ضرر و نفع ہوتا ہے یا فقر و مصیبت پہنچتی ہے؛ بلکہ اس خیال سے کہ شریعت نے اس دن رک جانے کی اجازت دی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ بالذات کسی دن کو منحوس یا مسعود سمجھنا ،تو خلاف شریعت ہے؛لیکن اگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے بعض

ایام کو منحوس بنایا ہے اور بعض کو مسعود تو یہ جائز ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ بدھ کے دن کسی کام سے احتیاط کرنا اگر بطور بدفالی اور نجومیوں کے طریقے کے ہو، تو یہ شدید حرام ہے؛ کیونکہ سارے دن اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، جو از خود نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان، اور اس اعتقاد کے بغیر احتیاط کرنے میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱/۶۱-۶۲)

گھروں کو منحوس سمجھنا

اسی طرح عوام الناس میں عقیدہ ہے کہ گھروں میں بعض گھر مبارک اور بعض منحوس ہوتے ہیں اور ان منحوس گھروں میں رہنے سے بے برکتی اور مصائب وآفات، بیماریاں وحوادث پیش آتے ہیں یا وہاں رہنے سے گھر کے افراد مر جاتے ہیں وغیرہ، یہ بھی غلط و باطل عقیدہ ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ ہے اور ہونا چاہئے کہ موت وحیات، خیر وشر، صحت و بیماری، رزق کی فراوانی یا اس میں تنگی، نعمت ودولت یا مصیبت ومفلسی سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، نہ کسی دکان ومکان سے کچھ ہوتا ہے، نہ کسی زمین و جگہ سے کچھ ہوتا ہے؛ اگر کسی دکان یا مکان سے ہوتا ہے، تب بھی وہ اللہ تعالی ہی کی مشیت وارادے سے ہوتا ہے، بغیر اللہ کی مشیت وارادے کے نہ کوئی چیز نقصان دے سکتی ہے، نہ نفع پہنچا سکتی ہے۔

بدفالی کی جاہلیت

بعض لوگ جاہلی لوگوں کی طرح راستے میں کسی بلی یا کالی بلی کے آڑے گزر

جانے پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا کام نہیں ہوگا اور واپس ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی باطل ہے اور اس کی تردید خود اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ " الطِّيَرَةُ شِرْكٌ "(بدفالی شرک ہے)، نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جاہلی دور کے لوگ اسی طرح بدفالی لیتے تھے کہ کوئی شخص اپنے کسی کام سے نکلتا اور کوئی پرندہ اس کی داہنی جانب سے اُڑتا نظر آتا، تو اس کو اپنے حق میں مبارک خیال کرتا اور اس کام کے لئے آگے بڑھ جاتا اور اگر پرندہ بائیں جانب سے اڑتا دکھائی دیتا، تو اس کو نامبارک ومنحوس خیال کرتا تھا اور واپس لوٹ جاتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے اس بے ہودہ و بے اصل عقیدہ کی تردید فرمادی ہے اور بتادیا ہے کہ کسی پرندہ کے داہنے یا بائیں اڑنے سے کچھ نہیں ہوتا، جو ہوتا ہے، وہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اسی طرح بلی کے سامنے سے گزرنے یا درمیان راستے سے گزرنے یا کسی اور چیز کے کسی طرح جانے آنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

گھر میں نحوست کا عقیدہ

اسی قسم کی ایک بات عوام الناس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی نیا گھر لیتے ہیں یا کسی نئے گھر میں منتقل ہوتے ہیں، تو وہاں سب سے پہلے دودھ اُبالنے کی رسم مناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں دودھ اُبالا گیا، تو یہاں گھر میں روپیہ پیسہ بھی دودھ کی طرح اُبلتا رہے گا۔ یہ بھی وہی باطل قسم کا عقیدہ ہے، جس کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دینا ولینا، رزق کا بڑھانا اور گھٹانا سب اللہ کے حکم ومشیت سے ہوتا ہے۔ کسی کے دودھ اُبالنے یا گرانے سے اس کا کیا تعلق؟ پھر اس رسم میں اللہ کی ایک عظیم نعمت کی ناقدری بھی ہے کہ دودھ کو گرایا جاتا ہے اور اسلام میں اس کی اجازت ہی نہیں کہ اللہ کی نعمت کو ضائع کیا جائے۔ الغرض یہ بھی ایک بے ہودہ رسم اور باطل عقیدہ ہے۔

عورت کے مبارک یا منحوس قدموں کا عقیدہ

اسی بدعقیدگی کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بعض عوام الناس میں یہ رائج ہے کہ اگر گھر میں نئی دلہن آنے کے بعد انہی دنوں منافع حاصل ہو گئے، رزق میں فراوانی ہوگئی، تو اس کو اسی عورت کی جانب منسوب کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اسی کے مبارک قدم کا نتیجہ ہے اور اگر خدانخواستہ ان ایام میں کوئی حادثہ بیماری کا یا موت کا پیش آگیا، تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت منحوس ہے، اسی کے نامبارک قدموں کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا ہے۔ کئی جگہ ایسے واقعات سننے میں آئے کہ شادی کے بعد جب دلہن گھر آئی اور اس کے چند دن کے بعد اس گھر میں کسی کا انتقال ہو گیا، تو یہی کہہ کر کہ ''یہ منحوس عورت ہے''۔ اس کو طلاق دیدی گئی۔

یہ بھی انتہائی غلط و باطل عقیدہ ہے؛ کیونکہ نہ کسی مرد سے کچھ ہوتا ہے نہ کسی عورت سے۔ سب اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔

افسوس کس قدر بدعقیدگی ہے کہ اللہ کی تقدیر کے فیصلے کو مخلوق کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ کیا اللہ ہی کی ذات نہیں، جو کسی کو موت دیتی ہے یا بیماری دیتی ہے؟ اسی طرح رزق کا دینا یا نہ دینا کیا اللہ کا کام نہیں؟ پھر اس کو ایک عورت سے کیوں منسوب کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی کمزوری اور توحید خداوندی پر ایمان کامل نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے۔

''واستو'' کا بے ہودہ عقیدہ

آجکل ایک اور باطل عقیدہ لوگوں میں غیروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو گیا ہے اور وہ ہے ''واستو کا عقیدہ'' جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کو ایک خاص انداز سے بنانے

کوضروری سمجھا جاتا ہےاوراس کے خلاف بنانے پراس کومنحوس وبرا سمجھا جاتا ہےاور گویا موت وحیات ، راحت ومصیبت ، کشائش وتنگی ،صحت وبیماری ،نحوست وبرکت وغیرہ امورکومکانات کے طرزِتعمیراوران کے جائے وقوع سے منسوب کیا جاتا ہے۔

یہ عقیدہ دراصل ہندوؤں میں ان کے پجاریوں کی طرف سے ویدوں کے حوالے سے آیا ہےاور پہلے تو وہ اس کواپنا ایک مذہبی نظریہ سمجھتے تھےاوراب خواہ مخواہ کھینچ تان کراس کوایک سائنسی نظریہ ثابت کرنے کی فکرکی جارہی ہے۔

واستو میں یہ بتایا جاتا ہے کہ گھر کا اصل دروازہ فلاں سمت کو ہونا چاہئے ، کھڑکیاں فلاں جانب ہونا چاہئے اور پکوان کا کمرہ اس مقام پر ہونا چاہئے اور سونے کا روم فلاں جگہ ہونا چاہئے وغیرہ اور اگر ایسا نہ ہوا، تو کہتے ہیں کہ کوئی مرجائے گایا حادثے ہوا کریں گے یا یہ کہ مال میں ترقی نہ ہوگی یا یہ کہ بیماریاں آئیں گی وغیرہ۔ یہ عقیدہ بھی شرکیہ اور باطل ہے۔اسلام میں اس طرح کی کوئی بات ثابت نہیں ؛ بلکہ گزشتہ بیانات پڑھیے ،تو یہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اسلام بنیادی طور پراس قسم کی باتوں کا سخت ترین مخالف ہے۔ وہ تو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی سمت میں کچھ نہیں رکھا ہے، جو کچھ ہے، وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

الغرض ’’ واستو‘‘ کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ؛ بلکہ یہ عقیدہ اسلام کے سراسرخلاف ہے؛ لہٰذا اہل اسلام کواس قسم کی بدعقیدگیوں سے دوررہنا چاہئے۔کیا یہ ساری باتیں امت کے عقیدوں میں بگاڑ ، ان کے ایمانوں میں ضعف ، انکے یقین میں کمزوری کا پتہ نہیں دیتیں؟

الغرض امت کے ایک طبقے میں عقیدے میں بگاڑ وفساد آ گیا ہےاور ایک بڑا طبقہ امت کا وہ ہے، جس کے عقیدے وایمان میں بگاڑ وفساد تو نہیں ؛ لیکن کمزوری و

اضمحلال نے بسیرا کرلیا ہے، یقین وایمان کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہی، جو ہونی چاہیئے، وہ اعتماد وتوکل علی اللہ موجود نہیں، جس کا قرآن مطالبہ کرتا ہے۔

تیسری فصل

ذہنی ارتداد کی خطرناک لہر

یہ بدعقیدگیاں اور ایمانی کمزوریاں زیادہ تر اس طبقے میں پائی جاتی ہیں، جو یا تو پرانے خیال کے لوگ کہلاتے ہیں یا عامۃ المسلمین میں۔ اگر چہ نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی اس قسم کی بدعقیدگیوں کا سلسلہ کچھ کم نہیں ہے؛ تاہم زیادہ تر یہ بیماریاں پرانے طرز والوں میں ہیں۔

اور جدت پسندوں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں جدت پسندی و جدید الفکری نے بدعقیدگی وایمانی کمزوری کا ایک دوسرا رنگ اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں یہ دین اسلام چلنے کے قابل نہیں، اس کے احکام اس دور کے لائق نہیں، وہ اس دین کو دائمی پیغام نہیں سمجھتے، ایک محدود وقت کا ایک محدود پیغام سمجھتے ہیں، وہ اس دین کو تمام دینی ودنیوی سعادتوں کا کفیل و ضامن نہیں سمجھتے، اس کو زندگی کا دستور العمل نہیں خیال کرتے، اس کو سب دینوں ومذھبوں سے افضل قرار نہیں دیتے۔ حرمت سود، عورتوں کے پردے، اور دیگر احکامات خداوندی ان کو فرسودہ دکھائی دیتے ہیں اور بعض جدت پسند لوگ ایسے بھی ہیں، جو اسلام سے صرف دور نہیں؛ بلکہ نفور بھی ہیں۔ وہ اسلام کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کے بجائے، خود اسلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ ان کو اسلام کے بہت سے احکامات میں غیر معقولیت نظر آتی ہے، بہت سے قرآنی حقائق ان کو مشکوک دکھائی

دیتے ہیں اور بہت سارے مضامین میں ان کو ترمیم و تنسیخ، حذف واضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ مگر پھر بھی وہ اسلام کا دعوی برملا کرتے ہیں اور اپنے اس صریح کفر کو اسلام کے ساتھ جھوٹی ہمدردی کے پردہ میں چھپاتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جو اس کو زبان قال سے کہتے ہیں اور اکثر وہ ہیں، جو زبان حال سے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کس قدر خطرناک ہے؟ یہ ہر مومن پر واضح ہے۔

ذہنی ارتداد کی چند مثالیں

(۱) اسی ذہنی ارتداد کی ایک صورت یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن و دین کی تعلیم کو لغو وفضول خیال کرتے اور دینی مدارس کو اور دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں دنیوی تعلیم کو بہت اہم وضروری، اور دنیوی تعلیمی اداروں کو اور عصری علوم پڑھنے والوں کو بہ نگاہ عظمت دیکھتے ہیں۔

جبکہ اہل اسلام کے نزدیک یہ بات معلوم ومسلم اور دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن وشریعت کے بغیر اسلامی زندگی کا کوئی تصور نہیں اور نجات کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ اور قرآن وسنت کی تعلیم وتدریس اور اس کے لئے دینی مدارس وتعلیم گاہیں اور اس کے ماہر علماء کا وجود لازم وضروری ہے۔

لیکن امت مسلمہ کا عموماً حال یہ ہے کہ ان سب امور کو غیر ضروری؛ بلکہ فضول سمجھتے ہیں اور حقارت کی نظر سے ان کو دیکھا جاتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عموماً اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے محروم رکھتے؛ بلکہ بعض تو اس سے ان کو بچاتے ہیں اور اگر کسی کے لحاظ سے دینی تعلیم کے لئے داخل بھی ہیں، تو ضمناً اور ایک فضول کام کی طرح اپنے بچے کچھے اوقات اس کے لئے دیتے ہیں، نیز ان کے اسباق کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ بچے پڑھتے بھی ہیں یا نہیں؟ کامیاب بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ الغرض اس کو

ایک لغو وفضول کام سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل یہ لوگ دنیوی وعصری تعلیم کے لئے پوری مستعدی دکھاتے ہیں، اور بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اس کو حاصل کرواتے ہیں، حتی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی لاکھوں کا ڈونیشن دے کر اسکولوں میں داخل کرواتے ہیں اور اپنے ذہین وعقل مند بچوں کو اس کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ وہاں کے امتحانات کی فکر کرتے ہیں اور بچوں کے کامیاب و ناکام ہونے کے بارے میں فکر مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دنیوی تعلیم کی اہمیت وضرورت کا احساس اس کی حیثیت سے زیادہ کرتے ہیں۔

یہ سب امور بظاہر نظر تو بدعملی کے نمونے معلوم ہوتے ہیں؛ مگر در حقیقت یہ آثار ہیں، اس ذہنی ارتداد کے، جس کی وجہ سے قرآن وسنت کی اور دینی تعلیم کی تحقیر اور اس سے روگردانی کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) اسی ارتداد کی ایک صورت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے، جو قرآن وسنت کے احکام وفرامین کو دنیوی زندگی کے لئے نافذ العمل ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے، بالفاظ دگر وہ شریعت کو ہماری دنیوی زندگی کے ہر شعبے وحال کے لئے ہدایت ہونے کا یقین نہیں رکھتے؛ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن تو صرف پڑھنے کے لئے ہے؛ تاکہ آخرت میں ثواب مل جائے، باقی یہ کہ وہ ہمارے لئے زندگی کے ہر باب و شعبے میں رہبری کرے، خواہ وہ ہماری معاملاتی زندگی ہو یا معاشرتی زندگی ہو یا سیاسی زندگی ہو۔ اس کا ان کو یقین نہیں؛ بلکہ بعض تو اس طرح کی بات کرنے پر کہنے والے کو بے وقوف سمجھ کر لقمہ دیتے یا کوئی رعایت کرتے ہیں، تو اس پر ہنس پڑتے ہیں۔

اس کا کچھ ثبوت تو بعض اسلامی ممالک کے حالات سے بخوبی ہو جاتا ہے،

جہاں آج بھی یہ بحث جاری ہے کہ اسلام کو بطور قانون یہاں نافذ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اوران مما لک کے سربراہوں میں سے تقریباً سبھی اورعوام میں سے ایک بڑی اکثریت نفاذ شریعت کے خلاف ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ وجابرانہ قوانین کو مانتی اوران کونافذ کرنے کی قائل ہے۔ کیاان کے ذہنی ارتداد پر اس سے زیادہ بڑی کوئی دلیل درکار ہے؟

ایسے ہی موقعہ پر قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے:

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ [مائدہ: ۵۰]

(کیا وہ لوگ جاہلیت کا قانون چاہتے ہیں؟ اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ کے قانون سے بہتر کس کا قانون ہوسکتا ہے؟)

اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلاثَةٌ : مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ ، وَ مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلاَمِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ مُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهُ »

(تین آدمی اللہ تعالی کولوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہیں: ایک حرم میں نافرمانی کرنے والا۔ دوسرے اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش کرنے والا۔ تیسرے بلا وجہ مسلمان آدمی کے خون بہانے کے لئے اس کا مطالبہ کرنے والا۔)

(بخاری: ۶۸۸۲۔ سنن کبری بیہقی: ۲۸/۸۔)

اس میں جو ''سنة الجاہلیة'' کا ذکر ہے، اس سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے احکام وفرامین کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کیا جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا ہے۔

حضرت مفکر اسلام کا فکر انگیز بیان

اس صورت حال کا اندازہ آج سے تقریباً چالیس پچاس برس پہلے ہی عالم اسلام کی معروف دینی وعلمی شخصیت مفکر اسلام حضرت علامہ ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ کو ہو گیا تھا اور آپ نے اس پر ایک رسالہ '' رِدَّةٌ لا أبا بَكر لها '' کے نام سے بزبان عربی تصنیف کیا اور اس کا ترجمہ ''نیا طوفان'' کے نام سے کیا گیا۔ یہ رسالہ تو پورے کا پورا پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہے، اس رسالے میں حضرت نے اس ارتداد کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ

''یہ ارتداد ہے، جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان پر اس کا حملہ ہوا ہے، یونیورسٹیوں، کالجوں، اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہوگا، جس میں اس دین (باطل) کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو۔ آپ جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اگلوائیں گے، تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہوگا یا ایمان بالیوم الآخر سے خالی ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہوگا یا قرآن کو

ایک معجزہ وابدی کتاب اور دستور حیات نہ مانتا ہوگا اوران میں سب سے غنیمت وہ ہوگا، جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اوران کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

(نیا طوفان:۱۳۰)

چوتھی فصل

عملی بگاڑ کے افسوس ناک نمونے

یہ تو ایمان وعقیدے کے سلسلے میں امت کی موجودہ صورت حال ہم نے دیکھی، اب ذرا عملی واخلاقی احوال کی جانب بھی نظر کیجئے۔ آپ کو ایک حیرت انگیز نا قابل تصور صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بدعات ورسومات کی گرم بازاری

اس میں سب سے پہلے تو بدعات ورسومات کا ایک نا قابل فہم لمبا چوڑا سلسلہ ہے، جو ہر ہر باب میں داخل کیا گیا ہے، کیا نماز، کیا روزہ، کیا زکوۃ وحج، کیا شادی بیاہ، کیا غمی، کیا پیدائش، کیا موت، پھر ہر مہینے کی الگ الگ بدعات ورسومات طے کی گئی ہیں، محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان، رمضان وغیرہ، اس طرح ایک متوازی شریعت، اسلامی شریعت کے بالمقابل بنالی گئی ہے۔ اوران میں کچھ تو ہندوؤں سے لیا گیا ہے، کچھ دیگر مذاہب سے، اور کچھ علماء سوء وزر پرست مشائخ کی ایجاد کردہ ہیں۔

لوگوں کے نزدیک ان بدعات ورسومات کی اس قدر اہمیت ہے کہ سنت و

شریعت کوترک کر دینا ان کو گوارا ہوتا ہے؛ لیکن کیا مجال کہ یہ بدعات ورسومات ترک ہوجائیں؟ حتی کہ اہم ترین فرض عبادات بھی ان کے مقابلہ میں پامال ہوجاتے ہے۔

عبادات شرعیہ میں ہماری کوتاہی

رہی عبادات شرعیہ (نماز ،روزہ ،زکوۃ ،حج ،وغیرہ) کی پابندی،تو ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی وہ، ہے جوسرے سے ان عبادات کو چھوڑے ہوئے ہے۔ نمازی بمشکل پانچ تا سات فیصد ہوں گے، اسی طرح دیگر عبادات کا تناسب بھی بہت کم ہے، پھر جوان عبادات کوانجام دینے والے ہیں، ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے، جوان عبادات کے صحیح طریقہ وترکیب ،ان کے شرائط وفرائض، ان کے سنن وآداب سے واقفیت نہیں رکھتی یا پوری واقفیت نہیں رکھتی، جس کی بنا پر ان کی بجا آوری کامل اور صحیح طور پر نہیں ہو پاتی؛ مگران کو کوئی احساس اس کا نہیں ہے۔ بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جنھیں قرآن کریم پڑھنا ہی نہیں آتا اور جن کو آتا ہے؛ ان میں اکثریت ان کی ہے، جنھیں صحیح انداز سے تجوید کے ساتھ پڑھنا نہیں آتا؛ مگر اس کا کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔

معاملات میں خرابیاں

پھر معاملات کی دنیا میں جوافراط وتفریط ، جو بے اصولی وبے اعتدالی پائی جاتی ہے، وہ نہ صرف اہل اسلام کے حق میں تشویش کا باعث ہے؛ بلکہ اس لحاظ سے بھی سنگین وخطرناک ہے کہ یہ صورت حال غیر مسلم اقوام وملل کو اسلام کے بارے میں منفی تصورات قائم کرنے پر ابھارتی وآمادہ کرتی ہے ،چنانچہ جھوٹ ،مکر وفریب ، دھوکہ بازی وچال بازی ، ناپ تول میں کمی ، وعدہ خلافی ، اشیاء میں ملاوٹ وغیرہ

ناخوشگوار وانتہائی مکروہ وناز یباافعال مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں ۔پھر حلال وحرام میں امتیاز سے لا پرواہی وغفلت ،سودی لین دین میں ابتلاء ،مظلوم وضعیف افراد پرظلم وتشدد کے ذریعہ یا جھوٹی دستاویزات کے ذریعہ ان کا مال چھین لینا، دبالینا لڑکیوں کو اور بہنوں کو وراثت سے محروم کر دینا بھی مسلم معاشرے میں کوئی معیوب بات نہیں رہی ؛ بلکہ بہت سارے لوگ ان باتوں کو حق سمجھے ہوئے ہیں یا یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ معاملات ومعاشرت میں ہم پر کوئی پابندی نہیں ۔کمائی کیلئے اور اپنی دنیا بنانے کیلئے جو راستہ، جو حیلہ، جو تدبیر چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

اور مولوی حضرات کا اس سلسلے میں متنبہ کرنا، ان کو عجیب لگتا ہے؛ یہاں تک کہ بعض مساجد کے ذمہ داروں کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے سود کی حرمت پر بیان کرنے پر خطیب کو خطابت سے روک دیا۔ گویا یہ باتیں کہنے اور بیان کرنے کی نہیں ہیں ، گویا یہ حضرات وہ بات بزبان حال کہنا چاہتے ہیں، جو کبھی قوم شعیب عَلَیْہِ السَّلَام نے بزبانِ قال کہی تھی ،جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴾ [سورہ ھود: ۸۷]

(کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری دینداری تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے،اور یہ کہ ہم اپنے مالوں میں ہماری مرضی کے مطابق تصرف کریں؟ واقعی تم بڑے عقل منداور دین پر چلنے والے ہو۔)

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ اس آیت کے تحت

لکھتے ہیں:

ان کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی یوں سمجھتے تھے کہ دین وشریعت کا کام صرف عبادت تک محدود ہے، معاملات میں اس کا کیا دخل ہے؟ ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے، تصرف کرے، اس پر پابندی لگانا دین کا کام نہیں۔ جیسے اس زمانے میں بھی بہت سے بے سمجھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔

(معارف القرآن:۴/۶۶۳)

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کے صاحبزادے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنے خطبات ''اسلام اور ہماری زندگی'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ''یعنی یہ جو ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال وحرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے ہمارے معاشی مسائل میں کہاں سے دخل اندازی شروع کردی؟ تم اگر نماز پڑھنا چاہو، تو اپنے گھر جا کر نماز پڑھو، کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے؟ کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے یا ہمارا جو مال ہے، اس میں ہم جو چاہیں کریں؟ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح

چاہیں گے، کریں گے، جس طرح چاہیں گے، کمائیں گے اور جس طرح چاہیں گے، خرچ کریں گے ۔ قوم شعیب عَلَيْهِ السَّلَامُ کی یہی ذہنیت تھی۔

(اسلام اور ہماری زندگی: ۳/۴۷)

الغرض ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک معاملات وتجارات، معاشیات واقتصادیات کا باب اسلام کے رہنما اصول کا سرے سے محتاج ہی نہیں ؛ جب کہ اسلام اپنے بارے میں قرآن پاک کے ذریعہ یہ اعلان پوری صفائی اور پوری توانائی کے ساتھ کرتا ہے کہ ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ (آج میں نے تمہارے دین اسلام کو مکمل کر دیا) [سورۃ مائدۃ:۳]

جب اسلام کو کامل ومکمل کر دیا گیا اور یہ اپنی کاملیت واکملیت کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ نما ہے، تو آخر اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ معاملات اور اقتصادیات میں ہم آزاد ہیں؟ اور ہمیں اسلام کے رہنما اصولوں کی اس باب میں کوئی حاجت و ضرورت نہیں؟

غرض یہ کہ معاملات کی دنیا میں ہم نے اسلام سے آزادی کا گویا کھلا اعلان کر کے من مانی زندگی اختیار کر لی ہے۔ سود کی برائی کی جگہ اس کی خوبی پر ایمان ہے، رشوت کی مذمت کا اسلامی قانون فرسودہ دکھائی دیتا ہے اور انشورنس اور بیمہ پالیسی میں بجائے قساوت قلبی وخونخواری کے انسانی ہمدردی وغمخواری کا جذبہ محسوس ہوتا ہے؛ جب کہ اسلام ان سب چیزوں سے کھل کر اختلاف کرتا ہے اور ان کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

اس صورت حال سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ آج مسلمانوں کے

معاملات اسلام کی رہنمائی سے کس قدر دور ہو چکے ہیں؟

باب معاشرت واخلاق اور ہم

رہا معاشرت واخلاق کا باب، تو اس کو بھی اسلام کی ہدایت وتعلیم سے ہم نے آزاد کر رکھا ہے، جب کہ اس سلسلہ میں اسلام ہماری پوری طرح رہنمائی کرتا ہے، وہ معاشرتی زندگی میں استواری وسدھار کیلئے معاشرہ میں مختلف طبقات وافراد کے آپسی حقوق وآداب سکھاتا ہے، ماں باپ کے، اولاد کے، بیوی اور شوہر کے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے، دوستوں اور شناساؤں کے، بھائی وبہنوں کے، ان سب کے حقوق وآداب کی ایسی بلند معیار تعلیم وہدایت دیتا ہے کہ اس سے بلند وبہتر، اس سے اعلی وافضل ہدایت وتعلیم کا کوئی امکان نہیں، لیکن ہم نے ان سارے حقوق وآداب کو یکسر فراموش کر رکھا ہے۔

اسی لئے ماں باپ کو اپنی اولاد سے شکایت ہے اور اولاد کو اپنے والدین سے شکوہ ہے۔

میاں اور بیوی کی آپسی ذمہ داریاں اور ان کے آپسی حقوق وآداب اسلام سے بہتر کسی قانون، کسی صحیفہ، کسی مذہب نے پیش نہیں کیے؛ لیکن عورتوں کے ساتھ مسلم معاشرہ میں ہونے والی زیادتیوں، مردوں کی طرف سے انکے حقوق میں ہونے والی پامالیوں اور انکے ساتھ کی جانے والی بدسلوکیوں نے غیر مسلم قوموں اور افراد کے مابین اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے ہیں، جس کی بنا پر لوگوں میں اسلام سے تنفر وبعد بڑھتا جا رہا ہے اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ مسلم عورت کا مسلم معاشرے میں کوئی مقام وحیثیت نہیں ہے؛ بلکہ اس پر ظلم وتشدد، اس کے حقوق کی پامالی اور اس سے بدسلوکی کا رواج ہے۔ فیا للأسف!

اور دوسری جانب عورتوں کی جانب سے مردوں اوران کے خاندان والوں پر مظالم کی داستان بھی سنائی دیتی ہے ، لڑکیاں شادی ہونے کے بعد مردوں کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کے بجائے ، نافرمانی و بداخلاقی سے پیش آتی ہیں اور جب مردوں کی جانب سے اس سلسلے میں کچھ پوچھ تاچھ ومطالبہ ہوتا ہے،تو اس کو ایک دوسرا رخ دینے کی سازش کی جاتی ہے اور بلا وجہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ جہیز و جوڑا کی مانگ کی جارہی ہے اوراس کی وجہ سے مظالم کیے جارہے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں ؛ بلکہ ڈوری کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے؛ حالانکہ مسئلہ تو یہ تھا کہ لڑکی بداخلاق ہے، یا شوہر کے حقوق ادانہیں کرتی یا اس کے ماں باپ کی توہین وتحقیر کرتی ہے ؛مگر اس جرم کو چھپا کر خود مرد کو مجرم بنانے کی سازش کی جاتی ہے۔

میرے سامنے ایسے کئی واقعات آچکے ہیں ، جن میں لڑکے کا کیرکٹر بالکل صاف ہے اور وہ معصوم ہے، اورلڑکی حد درجہ ضدی و کیرکٹر کی خراب ہے؛مگر شوہر کے اس مطالبے پر کہ وہ راہ راست پر آجائے اور اپنی بداخلاقی سے توبہ کرلے، اس نے ڈوری کیس کردیا۔

یہ ہے آج کے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا حال واحوال، جس پر کتنا بھی رویا جائے کم ہے۔

نکاح، جہیز وجوڑا

مثلاً اسلام میں نکاح کا جو سادہ سیدھا اور آسان طریقہ تھا، مسلمانوں نے اس کو انتہائی مشکل، نہایت پیچیدہ اوراسراف وتبذیر کی زنجیروں سے مقید کرکے ناقابل عمل بنا رکھا ہے اوراس میں جوڑے اور جہیز کے ناجائز مطالبے نے صورت حال کو اور

زیادہ سنگین وخطرناک بنادیا ہے۔اس ناجائز مطالبے کی وجہ سے بے شمار لڑکیاں اپنی جوانی اوراپنے وجود سے تنگ آکر خودکشی پر مجبور ہوجاتی ہیں،بعض لڑکیاں بے حیائی اور بردہ فروشی پراتر آتی ہیں،بعض لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہوجاتی ہیں۔

پھر دوسری طرف شادی ہوجانے کے بعد بھی لڑکے کی طرف سے مطالبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور مطالبہ پورا نہ کیا گیا،تو اس صنف نازک پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں،زدوکوب سے کام لیا جاتا ہے اور اس سے بھی وحشتناک یہ کہ اس عمل میں لڑکی کا شوہراورشوہر کی ماں،بہنیں سب شامل ہوتی ہیں۔

مسلمانو! خدارا!غور کرو کہ کیا اس سے بھی وحشیانہ کوئی عمل ہوسکتا ہے؟تم اللہ کو اپنا خدا اور رب مانتے ہو،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر تسلیم کرتے ہو، قرآن مجید کو اللہ تعالی کی عظیم الشان کتاب مانتے ہو؛لیکن عمل وہ کرتے ہو،جس کو دیکھ کر خدااوررسول کی باغی قوموں کو بھی شرم آجائے اور بقول اقبال مرحوم:

وضع میں تم ہونصاری، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اسلام نکاح کو حفاظتِ فرج اور صیانتِ نظر کا باعث قرار دے کر اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے جذبہ سے نکاح کا حکم دیتا ہے اور نکاح کو آسان بنانے کے لئے شادی کی دھوم دھام،اس کے اندر کی فضولیات اور بے جا اخراجات سے منع کرتا ہے اور مہر بھی کم سے کم باندھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

نیز لڑکی ولڑکے کے انتخاب میں دینداری کو معیار بنانے کی ہدایت دیتا ہے اور خوبصورتی یا مال ودولت یا حسب ونسب کو معیار وبنیاد بنانے کو معیوب ومذموم ٹھہراتا ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لِعِزِّهَا لَمْ يُزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا ذُلًّا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يُزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا فَقْراً، وَ مَنْ تَزَوَّجَهَا لِحُسْنِهَا لَمْ يُزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا دَنَاءَ ةً ،وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَتَزَوَّجْهَا إِلَّا لِيَغُضَّ بَصَرَهُ ، وَ يُحْصِنَ فَرْجَهُ ، أَوْ يَصِلَ رَحِمَهُ بَارَكَ اللّٰهُ لَهُ فِيْهَا وَ بَارَكَ لَهَا فِيْهِ »

(جو شخص کسی عورت سے اسکی (خاندانی) عزت کی وجہ سے شادی کرے گا، تو اللہ اس کو زیادہ ذلت دے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرے، تو اللہ اس کو اور زیادہ فقر ومحتاجی دے گا اور جو عورت کے حسب ونسب کی وجہ سے شادی کرے، تو اللہ اس کو مزید حقیر بنادے گا اور جو شخص اسلئے شادی کرے کہ آنکھ نیچی رہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہو اور صلہ رحمی کرے، تو اللہ تعالی ان دونوں کو ایک دوسرے کی وجہ سے برکت دے گا''۔

(مسند الشامیین: برقم:۱۱۔ معجم اوسط:۲۳۴۲۔ مجمع الزوائد:۴/۲۹۴۔ تخریج الاحیاء:۲/۳۸۔ جمع الجوامع:۴۴۹۹۔ کنز العمال:۴۴۵۸۹۔)

مگر اب لوگ عموماً مال ودولت اور جوڑے جہیز کی لالچ وحرص میں شادی کرتے ہیں، گویا نکاح بھی ایک ذریعہ آمدنی ہے۔ پھر مطلوبہ اشیاء وسامان نہیں ملتا یا کم ملتا ہے تو اپنی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، لڑکیوں پر ظلم وستم کیا جاتا ہے اور ان کے قتل تک سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

طلاق ایک تماشا

پھر کبھی طلاق کے واقعات تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور لوگ بات بات پر طلاق

پکارتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاق دیتے رہتے ہیں؛ بلکہ بعض تو خواہ مخواہ طلاق دینے کی عادت بنالیتے ہیں، جبکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

''أَبْغَضُ الْحَلاَلِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلاَقُ''

(یعنی اللہ کے نزدیک سبھی حلال چیزوں میں ناپسندیدہ اور مبغوض چیز طلاق ہے۔)

(ابوداود:۱۸۶۳۔ابن ماجہ:۲۰۰۸)

اور علماءِ حنفیہ نے لکھا ہے کہ طلاق میں اصل یہی ہے کہ وہ ناجائز وحرام ہے، شرع نے صرف ضرورت کے موقعہ پر اس کی اجازت دی ہے اور بالخصوص بیک جنبشِ لب تین طلاق دینے کو جمہور علماء نے ناجائز وحرام قرار دیا ہے اور اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

(دیکھو: البحر الرائق : ۳/۲۵۷۔الجوہرۃ النیرۃ:۴/۴۰۱۔ الدرالمختار مع الشامی : ۴/۴۲۸۔)

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ایسے شخص کو لایا جاتا، جس نے تین طلاقیں دی ہیں تو آپ اس کی پٹائی کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۸۰۸۹)

اور حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ اس شخص کو کڑی سزا دیتے تھے، جو ایک بیٹھک میں تین طلاق دیتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۸۰۹۳۔)

یہاں یہ سمجھ لیں کہ اسلام میں بلاشبہ طلاق مشروع ہے اور یہ طلاق کی مشروعیت اسلام کی معقولیت اور اس کے زندۂ جاوید ہونے کی ایک بیِّن اور واضح دلیل بھی ہے

اور اسی وجہ سے جنہیں اللہ تعالی نے عقل ودانش سے نوازا ہے، وہ طلاق کی مشروعیت کو اسلام کے معقول ہونے اور اس کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں؛ لیکن آج مسلمانوں میں اس کا غلط و بے باکانہ استعمال اور بے جا اور بکثرت استعمال جہاں مسلمانوں کی بے راہ روی و بے اعتدالی کی نشاندہی کررہا ہے، وہیں اسلام پر کیچڑ اچھالنے والوں اور اسلام دشمن عناصر کو اسلام کے خلاف لب کشائی کا موقعہ بھی فراہم کررہا ہے اور اسلام کے چہرہ پر ایک بدنما داغ بنا ہوا ہے؛ حالانکہ اسلام نے جہاں طلاق کو مشروع فرمایا؛ وہیں اس کے استعمال کا موقعہ اور محل بھی بتایا ہے، اس کے جواز کے شرائط وقیود بھی بیان کئے ہیں، اس کا وقت اور طریقہ بھی ذکر فرمایا ہے اور یہ بات ہر کسی پر واضح ہے کہ ہر اچھی سے اچھی چیز اور صحیح سے صحیح بات بھی اگر بے موقعہ یا غلط طریقے سے استعمال کی جائے، تو وہ اپنا فائدہ کھودیتی؛ بلکہ الٹا نقصان پہنچاتی ہے؛ مگر آج لوگ ان تمام چیزوں سے آنکھ بند کرکے بے تحاشا و بے محابا تین طلاق پکار بیٹھتے ہیں اور یہ طلاق لوگوں کیلئے ایک تماشا اور اسلام پر ہنسی اور مذاق کے لئے ایک بہانہ اور اس کے خلاف لب کشائی کے لئے ایک حربہ بن جاتی ہے۔

ہماری تہذیب وتمدن

پھر ذرا ہماری تہذیب وتمدن پر نگاہ فرمایئے۔ یا تو ہم اپنے آپ کو ہر قسم کی تہذیب وشائستگی اور اصول معاشرت سے آزاد و بے پرواہ بنائے ہوئے ہیں اور اسے دیکھنے والے دیکھ کر ہم ہی سے نہیں، اسلام سے بھی دور ہوجاتے ہیں یا پھر ہم نے اسلام کے باغیوں اور مخالفوں، یہود ونصاری، ہنود ومجوس کی تہذیب ومعاشرت اپنالی ہے، وضع قطع، لباس وپوشاک، طرز وانداز، بول چال، لب ولہجہ، نشست وبرخاست، کھانا اور پینا غرض ہر چیز میں کفار ومشرکین، یہود ونصاری کا طریقہ ہم کو

پسند ہے۔

بہت سے پڑھے لکھے مسلم گھرانوں میں بے حیائی و بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک فیشن اور قابل فخر بات سمجھی جاتی ہے، اس کے بالمقابل شرم و حیاء اور حجاب کو ایک معیوب رواج و فرسودہ طریقہ خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی لڑکیاں بے محابا اور بے حجابانہ گھومتی پھرتی ہیں، غیر لڑکوں سے تعلقات قائم کرتی ہیں؛ بلکہ ان کو اپنے گھروں میں لاتی ہیں، ان کے ساتھ سیر و تفریح کرتی ہیں، کبھی اسکولوں و کالجوں میں، کبھی اپنے دفتروں میں اور کبھی کسی تقریب یا اور کسی موقعہ سے یہ تعلقات بلا کسی ادنی کراہت کے جاری و ساری رہتے ہیں، مگر ان گھرانوں میں یہ کوئی معیوب بات ہی نہیں سمجھی جاتی؛ بلکہ الٹا قابل فخر اور روشن خیالی کی دلیل و علامت سمجھی جاتی ہے۔

غرض یہ کہ ایک بڑے طبقے کو اسلامی طریقہ، اسلامی آداب، اسلامی اصول فرسودہ یا موجودہ دور کے لحاظ سے نعوذ باللہ معیوب نظر آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس لباس کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی کہتا ہے ڈاڑھی نہ رکھا، تو کیا مسلمان نہیں ہوسکتا؟ کوئی کہتا ہے کہ حجاب عورتوں کی ترقی میں رکاوٹ ہے، کوئی اس کو دقیانوسیت کی علامت قرار دیتا ہے، کوئی پوچھتا ہے کہ جدید طریقہ اور طرز و انداز کو اختیار کرنے میں کیا خرابی ہے؟

مگر یہ سوالات کرنے والے کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر اسلامی طرز و انداز، اسلامی آداب و اصول، اسلامی لباس و پوشاک، اسلامی وضع قطع میں آخر کونسی خرابی تھی، جس کی وجہ سے یہ ان کو نامانوس و معیوب اور ناقابل عمل دکھائی دیتے ہیں اور ان لوگوں نے اس سے توبہ کر لی ہے؟

پانچویں فصل

موجودہ اسلامی معاشرے پر جاہلیت کے آثار

غرض یہ کہ ہر اعتبار سے ہم میں نقص وعیب ہے، کمی وکوتاہی ہے، غفلت وتکاسل ہے اور حق سے اعراض وروگردانی ہے، جاہلیت وجہالت کا تسلط ہے۔ جاہلی دور کے بارے میں اوپر عرض کیا جا چکا ہے، یہاں وضاحت کے لئے ایک دو مثالیں بطور ''نمونہ از خروارے'' ذکر کرنا مناسب لگتا ہے:

جاہلی معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کی جو لہر چلتی تھی، جس نے انسانیت کا سر شرم کے مارے جھکا دیا تھا، کس قدر قابل حیرت وافسوس ناک بات ہے کہ وہ کسی نہ کسی درجے میں آج بھی موجود ہے۔ جوڑے جہیز کی مانگ، شادیوں میں بے جا مطالبات، جسمانی وذہنی اذیت، مارتوڑ اور قتل، وغیرہ اخلاقی جرائم و روحانی رذائل کی رپورٹیں روز روز اخبارات وجرائد میں شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کیا یہ جہالت وجاہلیت نہیں ہے؟

جاہلی دور کی ایک انتہائی ظالمانہ ومجرمانہ ذہنیت یہ تھی کہ لڑکی کی پیدائش کو معیوب ومنحوس خیال کیا جاتا تھا، اور کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی، تو اس ذہنیت کا منفی اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کا باپ اس کو زندہ درگور کردینے ہی میں اپنی عزت سمجھتا تھا۔ اور آج ہمارے مسلم معاشرے میں بھی لڑکیوں کے وجود کو منحوس ومعیوب سمجھنے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اس قسم کی ذہنیت کے لوگوں میں عموماً یہ دیکھا گیا کہ لڑکی کی پیدائش کی سزا میں اپنی بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی وبدسلوکی کرتے ہیں

اور حد یہ ہے کہ بعض لوگ تو طلاق بھی دیدیتے ہیں۔ کیا یہ وہی جاہلی ذہنیت نہیں ہے؟

دور جاہلیت میں فحش و بے حیائی کوئی معیوب چیز نہیں تھی؛ بلکہ یہ اس زمانے کا ایک فیشن تھا، لڑکوں اور لڑکیوں میں معاشقہ، معاشقہ کا برملا تذکرہ، اپنے قصائد و غزلوں میں اس کے اشارے، کنائے کیے جاتے تھے؛ بلکہ بعض وقت صراحت سے بھی گریز نہیں ہوتا تھا اور پھر اس سے آگے زنا و حرام کاری میں بھی کوئی باک نہ ہوتا تھا۔ غور کیجیے تو آج کا دور بھی اسی کی عکاسی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا ماحول اس وقت جاہلیت کا پورا پورا نقشہ پیش کر رہا ہے، اور یہ سارے امور یہاں کے ماحول میں بھی ایک فیشن بن چکے ہیں؛ حتی کہ جو اسٹوڈنٹ اس قسم کی خرافات میں حصہ نہ لیتے ہوں، ان کو اس ماحول میں بے وقوف سمجھا جاتا اور اجنبی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

نیز اس صورت حال میں مزید قوت و شدت پیدا کرنے والے عوامل و بواعث میں ٹی وی، موبائیل فون، انٹرنیٹ، فیس بک، وغیرہ کا بڑا عمل دخل ہے، جنھوں نے گھر گھر میں فحش و بے حیائی کو داخل کر دیا ہے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگیوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ جدت نوازی و ترقی پسندی کے عنوان پر کیا جا رہا ہے، اور لوگ ان جدید آلات کو اپنے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل خیال کرتے ہیں اور جو ان آلات سے واسطہ نہ رکھتا ہو، اس کو پس ماندہ و دقیانوس قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسی لئے آجکل کے بعض روشن خیال لوگ اہلِ مدارس کو پوری سنجیدگی، وخلوص و للّٰہیت سے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ مدارس میں بھی ان مواصلاتی آلات و وسائلِ ابلاغ کو داخل کیا جائے اور طلبہ کو انٹرنیٹ کی دنیا سے ضرور روشناس کرایا

جائے ۔ان حضرات کے ان مشوروں کے پیچھے کتنا بھی خلوص وللّٰہیت ہواور اہلِ مدارس سے کتنی بھی ہمدردی وغمخواری ہو؛ مگراس میں کوئی شک نہیں کہ دنیوی مفادات ومادی منافع کے پیش نظران وسائل وآلات کے مفاسد وخطرناک نتائج ان لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں ۔ اگر یہ حضرات ذرا سی بھی توجہ ان کے مفاسد وہولناک نتائج کی جانب کریں اوران مفاسد وخطرناک نتائج کا ان کے منافع سے موازنہ کریں،تو شاید یہ مشورہ دینے میں احتیاط برتیں۔

اسی طرح جاہلی عصر کا ایک امر خاندانی تعصب ہوا کرتا تھا کہ جاہلی لوگ اپنے خاندان پر فخر،اس کی بڑائی وعظمت، دوسرے خاندانوں کی تحقیر وتذلیل کیا کرتے تھے۔ یہ خاندانی تعصب بھی بیشتر لوگوں میں آج پایا جاتا ہے؛ حتی کہ بعض خاندان ایسے ہیں،جن میں اپنے خاندان یا قبیلے کی جانب منسوب کر کے مساجد بھی بنائے جاتے ہیں اورنکاح رجسٹر بھی ان کا الگ ہوتا ہےاورنکاح ہونے والے لڑکے ولڑکی کا بھی ایک ہی خاندان سے ہونے کولازم تصور کیا جاتا ہے؛ بلکہ بعض علاقوں میں برادریوں میں بھی اس کا خیال لازمی طور پر رکھا جاتا ہے کہ نکاح ہونے والے جوڑے کا ایک ہی برادری سے تعلق ہو،اوراس کے خلاف کرنے کونہایت معیوب سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ بعض جگہ اس کی خلاف ورزی پرخلاف ورزی کرنے والوں کا برادری والے بائیکاٹ کردیتے ہیں۔

حالانکہ یہ مسئلہ کفو والی بات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا؛ کیونکہ کفو کی جوحقیقت ہے،اس میں فقہاء کے مطابق اہلِ ہند کے کئی خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں؛ مگر یہاں لوگ ہر خاندان کودوسرے سے الگ خیال کرتے ہیں اوراس سے آگے یہ کہ برادریوں کوایک دوسرے سے الگ مانتے ہیں اور پھران میں ایک دوسرے سے

نکاح کو معیوب سمجھتے ہیں، جو اسلامی کفو سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

الغرض یہ جاہلیت آج ہم میں رائج ہے اور ہمیں اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ جس جاہلی نظام کو ختم کرنے اللہ تعالیٰ نے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ نے بڑے مصائب جھیل کر اور ہزاروں قسم کی جانی و مالی قربانیوں کو پیش کر کے اس کی جگہ اسلامی نظام قائم فرمایا، آج ہم خود اس نظام اسلامی کو چھوڑ کر جاہلی نظام پر کاربند ہیں۔

اللہ کرے کہ ہمارے معاشرے میں رواج پذیر جاہلانہ تصورات و نظریات سے ہم توبہ کریں اور دور ہوں اور اس سچے و پاکیزہ اسلامی نظام پر جینے و مرنے کی ہمت کریں۔

چھٹی فصل

غربتِ اسلام کا زمانہ اور ایک نبوی پیش گوئی

غالباً غربتِ اسلام کی جو پیشین گوئی احادیث میں وارد ہوئی ہے، اس کی ابتداء ہو چکی ہے اور اسی کا ایک درجہ یہ بھی ہے، جو ہمارے مشاہدے میں آرہا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيباً وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيباً ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ". (اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب اجنبیت ہی کی حالت کی جانب لوٹ جائے گا، پس خوشخبری ہو ان لوگوں کے لئے جو اجنبیت کے زمانے میں اسلام پر ثابت قدم رہنے

والے ہیں۔)

(مسلم:۳۸۹۔ترمذی:۲۶۲۹۔ابن ماجہ:۳۹۸۶،۳۹۸۷،۳۹۸۸۔احمد:۳۹۸/۱ و۳۸۹/۲۔)

اس حدیث کی شرح میں امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''بیان مشکل الآثار'' میں فرمایا کہ

''فتأمَّلْنَا هٰذه الآثارَ ، فوَجَدنَا الإسْلامَ دخل على أشياء ليستْ من أشكالِه ، فكان بذلك معها غَرِيباً لا يُعْرَفُ ، كما يُقَالُ لمن نزل على قوم لا يعرفونه : إنّه غريبٌ بينهم ، ثم أخْبَرَ رسولُ الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أنه يَعُودُ كذلك ، فيكون من نزع عمَّا عليه الخلة المذمومة إلى ما كانت عليه الخلة المحمودة غريباً بينهم''

(ہم نے ان احادیث میں غور وفکر کیا،تو ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام ایسے حالات میں داخل وظاہر ہوا،جو اسلام سے ملتے جلتے نہیں تھے،لہٰذا وہ ان حالات میں غریب وانجانا ہوگیا،جیسے اس شخص کو غریب کہتے ہیں،جو ایسی قوم میں اُترے،جس کو وہ پہچانتے نہ ہوں، پھر اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے خبر دی کہ وہ پھر اسی حالت کی جانب لوٹ جائے گا،لہٰذا جو شخص بری صفت وحالت سے نکل کر اچھی صفت وحالت کی جانب آئے گا،وہ بھی لوگوں میں غریب وانجانا سمجھا جائے گا۔)

(بیان مشکل الآثار:۱۲۹/۲)

اور مشہور شارحِ حدیث علامہ عبد الرؤف المناوی رَحِمَہُ اللہُ نے ''فیض القدیر شرح جامع الصغیر'' میں فرمایا کہ

''حدیث کی مراد یہ ہے کہ اسلام جب اولِ وہلہ میں ظاہر ہوا، تو اس کو لے کر کھڑے ہونے والے اور اس کی جانب سے دفاع کرنے والے رسول علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اور قبائل میں سے نکلے ہوئے لوگوں میں سے بہت کم لوگ تھے، پس ان لوگوں کا اپنے شہروں سے دین کے لئے نکلنے اور اپنے علاقوں سے کوچ کرنے سے آدمی دوسروں سے الگ وجدا ہوجاتا اور مسافر کی طرح ایک جانب پڑا رہتا ہے، پھر اسلام اس کے بعد اسی پرانی حالت کی جانب لوٹ آئے گا کہ اس پر قائم رہنے اور چلنے والے سوائے چند گنے چنے افراد کے کوئی نہ ملیں گے۔''

(فیض القدیر: ۲/۷۰۴)

ان دونوں حضرات ائمہ کے بیانات کا حاصل یہ نکلا کہ جس طرح ابتدائی دور میں اسلام لوگوں کے لئے اجنبی تھا کہ اس کے احکام وفرامین، اس کی تعلیمات و ہدایات اور اس کے طور وطریقے ان کے لئے غیر مانوس تھے اور وہ انہیں حیرت کے ساتھ اور اجنبی نگاہوں سے دیکھتے تھے، نیز خدا سے بغاوت وروگردانی کا وبال، رسولوں کی تکذیب وتحقیر کا عذاب اور آخرت سے غفلت کی تباہ کاری، قتل وغارت گری کی مذمت، لڑائی وجھگڑے کی نحوست، شراب ونشہ بازی کی حرمت، سودی لین دین کی برائی، رشوت خوری کی تباہی، بے پردگی وبے حیائی کی خرابی، حب دنیا کی روسیاہی وغیرہ امور جب انبیاء اور ان کے جانشینوں سے سنتے تھے، تو یہ ان کے لئے

حیرت در حیرت کا باعث بن جاتے تھے، نیز اللہ کی عبادت، رسول کی اطاعت اور نیکی وخوبی کی اتباع وغیرہ امور کا درس سنتے تھے، توان لوگوں کو یہ باتیں تعجب خیز لگتی تھیں اوراس لئے اس کی جانب سے نفور ودور تھے اور بہت کم لوگ اس کو ماننے اور اس کو لے کر چلنے والے تھے، اسی طرح ایک دور ایسا آئے گا کہ اسلام لوگوں کی نگاہوں میں غیر مانوس ہوجائے گا اور اس پر چلنے والے بہت کم گنے چنے رہ جائیں گے۔

ذرا غور کرکے دیکھئے کہ کیا آج اس پیش گوئی کے مطابق بہت کچھ حالات و واقعات رونمانہیں ہورہے ہیں؟ کتنے ہیں؟ جن کو ڈاڑھی کی سنت اجنبی بن چکی ہے، عورت کے حق میں پردہ نا قابلِ فہم لگتا ہے، سود کی حرمت اور حرام وحلال میں تمیز کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے، دینداری وتقوی طہارت کا تذکرہ قابل عمل نہیں لگتا، اسی طرح بہت سے احکامات خداوندی وتعلیمات نبوی سے انقباض واعراض ہونے لگتا ہے۔

آج سے بہت پہلے حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللہُ نے اپنے شاگرد ابراہیم بن نصر رَحِمَہُ اللہُ سے کہا تھا کہ

”کیف بک إذا بقیت إلی زمان شاهدت فیه ناسا لا یفرقون بین الحق والباطل ولا بین المؤمن والکافر ولا بین الأمین والخائن، ولا بین الجاهل والعالم، ولا یعرفون معروفا ولا ینکرون منکرا“

(تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت کہ اگر تم زندہ رہے، تو دیکھو گے کہ لوگ نہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، نہ مومن و کافر میں، نہ امین و

خائن کا ان کو امتیاز ہے، نہ جاہل و عالم کا اور نہ وہ معروف کو معروف جانتے ہیں اور نہ منکر کو منکر سمجھتے ہیں۔)

امام علامہ ابن بطہ حنبلی رحمہ اللہ جو چوتھی صدی ہجری کے ایک بہت بڑے امام گزرے ہیں، انھوں نے اس کو اپنی کتاب ''الابانۃ'' میں درج کر کے لکھا ہے کہ:

''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ، ہم نے اس زمانے کو پالیا اور ان باتوں میں سے اکثر کو سن لیا اور جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص جسے اللہ تعالی نے عقل صحیح اور دیدۂ بینا دیا ہو اور وہ غور وفکر کرے گا اور اسلام اور اہلِ اسلام کے معاملے میں تأمل کرے گا اور اپنے اہل وعیال کو صراط مستقیم پر لے چلے گا، تو اس کو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اکثر لوگ الٹے پاؤں چلے گئے اور پیٹھ دکھا کر مڑ گئے ہیں اور صحیح دلیل سے پھر گئے ہیں اور بہت سے لوگ ان باتوں کو اچھا سمجھنے لگے ہیں، جن کو وہ پہلے برا خیال کرتے تھے اور ان چیزوں کو حلال سمجھنے لگے ہیں، جن کو پہلے حرام جانتے تھے اور منکر کو معروف خیال کرنے لگے ہیں؛ حالانکہ یہ مسلمانوں کے اخلاق نہیں تھے اور نہ ان لوگوں کے جو دین کے بارے میں بصیرت پر قائم تھے اور نہ ان کے جو ایمان ویقین والے تھے۔

(الابانة :۱/۱۸۸)

جب یہ حال چوتھی صدی کا ہو، تو کیا خیال ہے اِس دور کا، جس میں لوگ بدعت ہی کو سنت سمجھتے ہیں اور باطل کا نام حق دیدیا گیا ہے، رسم ورواج کو شرع کا ہم معنے سمجھا جاتا ہے، حق وباطل کا امتیاز اٹھتا جارہا ہے، فرائض کو پامال اور سنتوں کو ضائع کیا جارہا ہے، حقوق میں کوتاہی اور آداب میں غفلت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے، گانے

بجائے وفحش و بے حیائی کے کام بڑے طمطراق سے کئے جارہے ہیں، نیکی پر شرم محسوس کی جاتی ہے اور بے حیائی پر فخر کیا جاتا ہے۔ **لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم ، فإلى الله المشتكى۔**

آٹھویں فصل

کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لو

یہ حقیقت ہر مؤمن پر آشکارا ہے کہ اللہ ورسول کی خوشنودیاں ورضامندیاں، دین ودنیا کی خوبیاں وبھلائیاں، آخرت کے اندر فلاح مندیاں وکامیابیاں اس کو حاصل ہوسکتی ہیں، جو کتاب وسنت کی اس شاہراہ پر گامزن ہوگا، جو مسلکِ اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ومعروف ہے۔ جاہلی رسوم ورواجات، غیر اقوام کی تقلید ونقالی، دین وشریعت کی راہ سے الگ ہوکر کسی جدت پسندی وفیشن پرستی کی راہ پر چلنے والوں کو یہ دولت نہیں مل سکتی۔

لہٰذا ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم دین اسلام پر چلنے اور اسی پر جینے ومرنے کا عہد کریں۔ یہاں اس سلسلے کی چند احادیث نقل کردینا مناسب ہوگا۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ

« أبغض الناس إلى اللّٰه ثلاثة : مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ ، وَ مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ مُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ . »

(تین آدمی اللہ تعالی کو لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہیں: ایک حرم میں نافرمانی کرنے والا، دوسرے اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش کرنے والا، تیسرے بلا وجہ مسلمان آدمی کے خون بہانے کے لئے اس کا مطالبہ کرنے والا۔)

(بخاری: ۶۸۸۲۔ سنن کبری بیہقی: ۲۸/۸)

(۲) حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ

«بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْباً وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْباً ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ »

(اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب اجنبیت ہی کی حالت کی جانب لوٹ جائے گا۔ پس خوشخبری ہو، ان لوگوں کے لئے، جو اجنبیت کے زمانے میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔)

(مسلم: ۳۸۹۔ ترمذی: ۲۶۲۹۔ ابن ماجہ: ۳۹۸۶، ۳۹۸۷، ۳۹۸۸۔ احمد: ۳۹۸/۱ و ۳۸۹/۲)

بعض روایات میں غرباء کی تفسیر بھی وارد ہوئی ہے، جیسے فرمایا کہ

« فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاء الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ ما أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِيْ »

(غرباء کے لئے خوشخبری ہو، جو اصلاح کرتے ہیں، ان امور کی جو میری سنت وطریقے میں سے لوگوں نے بگاڑ دی ہیں)

ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا کہ غرباء کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ

« الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ »

(وہ جو اصلاح کریں گے، ان چیزوں کی، جو لوگوں نے بگاڑ دی ہیں۔)

(مسند احمد: ۷۳/۴۔ معجم کبیر طبرانی: ۴۴۷/۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ سے معلوم کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ تو فرمایا: "النُّزَّاعُ مِنَ الْقَبَائِلِ" (یعنی قبیلوں میں سے نکلے ہوئے۔)

(ابن ماجہ: ۳۹۸۸۔ مسند احمد۔ ۳۹۸/۱۔ مسند بزار: ۴۳۳/۵۔ مسند ابو یعلی: ۲۸۸/۸)

اور "نُزَّاعٌ"، نَزِيْعٌ یا نَازِعٌ کی جمع ہے اور نَزِيْعٌ یا نَازِعٌ کہتے ہیں، اس شخص کو جو اپنے اہل وعیال وخاندان سے جدا ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ دین اس قدر اجنبی ہو جائے گا کہ اس پر چلنے والے کو اپنے لوگوں سے بھی جدا ہو جانا پڑے گا اور اس کو ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑے گا۔

(المفهم شرح مسلم للقرطبی: ۱۲۸/۲)

(۳) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری جانب رخ کر کے ایک بلیغ نصیحت فرمائی، جس کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں بہہ گئیں اور دل خوف زدہ ہو گئے۔ پس ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے کوئی وداع کرنے والا نصیحت کرتا ہے، پس آپ اور کچھ نصیحت کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَ إِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اِخْتِلافًا كَثِيراً ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ إِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.»

(میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے ، امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی ، اگر چہ کہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ جو کوئی تم میں سے زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔لہٰذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، ان کو پکڑ لو اور ڈاڑھوں سے مضبوط تھام لو اور دین میں نئی نئی باتوں یعنی بدعات سے بچو؛ کیونکہ ہر دین میں جاری کی جانے والی نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

(ابوداود:۴۶۰۹۔مسند احمد:۱۲۶/۴۔صحیح ابن حبان:۱۷۹/۱)

(۴) حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«إِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلىٰ جُحْرِهَا ، وَ لَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةُ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ ، إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْباً ، وَ سَيَرْجِعُ غَرِيْباً ، فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ ، وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ

بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِي.»

(بلا شبہ دین سمٹ کر حجاز کی جانب چلا جائے گا، جیسے کہ سانپ اپنے سوراخ کی جانب سمٹ کر چلا جاتا ہے، اور دین حجاز میں اسی طرح پناہ لے گا جیسے جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے۔ بیشک دین اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور اسی غربت کی حالت پر لوٹ جائے گا، پس غرباء کے لئے خوش خبری ہو، اور غرباء وہ لوگ ہیں، جو اصلاح کریں گے، ان باتوں کی، جو میری سنتوں میں سے لوگوں نے بگاڑ دی ہیں۔)

(ترمذی: ۲۶۳۰۔ معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۴۰۳)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« اِفْتَرَقَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى إِحْدٰى أَوْ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً، وَ تَفَرَّقَتِ النَّصَارىٰ عَلٰى إِحْدٰى أَوْثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً و تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً.»

(یہود اکہتّر یا بہتّر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاری بھی اکہتّر یا بہتّر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔)

(ابو داود: ۴۵۹۶۔ السنن الکبری بیہقی: ۱۰/۲۰۸۔ مستدرک: ۱/۲۱۷۔ السنۃ لابن ابی عاصم: ۶۶)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ

بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ فِيهِمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَّةً، لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ. وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ مِلَّةً ، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً ، قَالُوْا: وَ مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ.»

(ضرور بالضرور میری امت پر وہ زمانہ آئے گا، جو بنی اسرائیل پر آیا تھا، جس طرح جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان لوگوں میں کوئی ایسا تھا، جس نے اپنی ماں سے علانیہ منہ کالا کیا تھا، تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ہوگا اور بلا شبہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے سوا سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا: وہ فرقہ جو میرے اور صحابہ کے طریقہ پر ہے۔)

(ترمذی:٢٦٤١۔ مستدرک حاکم:١/٢١٨)

(٧) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« تَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً ، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً ، قَالُوْا: وَمَا تِلْكَ الْفِرْقَةُ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ .»

(یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک کے، وہ

سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے معلوم کیا کہ وہ کونسا فرقہ ہے؟ تو فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔)

(معجم اوسط طبرانی: ۵/۱۳۷۔ معجم صغیر طبرانی: ۲/۳۰)

(۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«ألاَ إنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ أهْلِ الْكِتَابِ اِفْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً وَ إنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلاثٍ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً ، ثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ فِيْ النَّارِ وَ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ " وَفِي رِوَايَةٍ زِيَادَةٌ: وَإنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أمَّتِيْ أقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهٖ ، لاَ يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلاَ مَفْصِلٌ إلَّا دَخَلَهٗ. »

(خبر دار رہو کہ تم سے پہلے جو اہل کتاب گزرے ہیں، وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتّر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے ، .....ایک روایت میں یہ اضافہ ہے.....: اور میری امت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے، جن میں یہ خواہشات اس طرح رچی وبسی ہوئی ہوں گی ، جیسے کہ کتے کاٹے کا زہر کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا، جس میں یہ بیماری نہ گھس جائے۔)

(ابو داود: ۴۵۹۷۔ السنۃ لابن ابی عاصم: ۲۔ مسند الشامیین: ۲/۱۰۸۔ مسند احمد: ۱۶۹۷۹۔ مستدرک: ۱/۲۱۸۔ معجم کبیر طبرانی: ۱۴/۳۰۱۔)

ان احادیث کو بار بار پڑھئے اور غور وفکر سے دیکھئے کہ ان میں قرآن وسنت و مسلک اہلِ سنت والجماعت پر چلنے اور اس پر قائم و دائم رہنے کی کس قدر تاکید و ترغیب اور ایسے لوگوں کے لئے کیا کیا فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور اس کے خلاف چلنے کی کس قدر مذمت و برائی اور اس پر کیسی نکیر اور وعید شدید سنائی گئی ہے۔

دوسرا باب

امت میں موجود بگاڑ کے اسباب

اب سوال یہ ہے کہ اس ایمانی واعتقادی کمزوری و بگاڑ اور عملی بے راہ روی و فساد کے اسباب وبواعث کیا ہیں، یہ بگاڑ کیوں اور کیسے رونما ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بگاڑ وکمزوری کے بہت سے اسباب ہیں: اس میں شک نہیں کہ ایک طویل زمانے تک اسلامی حکومتوں کے قائم ہونے کی وجہ سے اور اسلامی شعائر واحکام سے، اہل اسلام کی مخلصانہ وابستگی کی وجہ سے، وہ ایمانی و اعتقادی بگاڑ وفساد سے بچے ہوئے تھے۔ پھر ایک جانب غیر مسلم وعجمی اقوام سے میل ملاپ واختلاط اور دوسری جانب جاہل صوفیوں وگمراہ پیروں کی باطل و باطنی تحریکات کے اثر ونفوذ اور تیسری جانب اسلامی خلافت کے ضعف واضمحلال نے امت کے اندر منفی اثرات پیدا کر دئے۔ پھر جب اسلامی خلافت کا دور ختم ہوا اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، تو ان میں سے بعض ریاستیں باطل فرقوں و نظریات کے حاملین عبیدیہ، اسماعیلیہ، وغیرہ نے قائم کیں، جیسے مغربی مما لک میں باطنیہ نے، طولونیہ نے مصر میں، فاطمیہ نے شمالی افریقہ میں، حمدانیوں نے شمالی عراق وشام میں، شیعہ نے ایران میں۔ تو اس وقت وہاں ان راستوں کے زیر سایہ

آستانے ومقابر بنائے گئے اوران کی تعظیم وتکریم میں غلو سے کام لیا گیا، مزارات پر قبے، ان کی تزئین وآرائش، ان کی زیارت کے لئے سفر، وغیرہ امور کا سلسلہ دراز ہوا۔

الغرض ان اجمالی اسباب کے بعد ہم یہاں چند اہم اسباب کی تفصیل پیش کرنا چاہیں گے، جنھوں نے اس صورت حال کو پیدا کیا ہے:

علم دین سے ناواقفیت

ان میں سے ایک بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ اکثر لوگ علم دین سے ناواقف اور دور ہیں اور جب علم دین نہیں ہوتا، تو دین کہاں سے آئے گا، لہٰذا لامحالہ دین سے دور ہوجاتے اور بدعقیدگیوں اور ایمانی کمزوریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

اسی لئے اسلام نے علمِ دین کی اہمیت وضرورت وفرضیت کا اعلان کیا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں فرمایا گیا کہ

« طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ » (علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

(سنن ابن ماجہ:۲۲۴)

اسی لئے علماء وفقہاء نے لکھا ہے کہ:

فرائض جیسے: اللہ کی معرفت، نماز، روزہ، زکوۃ وحج، نیز حلال و حرام امور کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور جو امور فرض کفایہ ہیں، ان کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

(الدر المختار:۱۲۶)

علم دین دراصل ایک روشنی ہے، جس سے انسان حق وباطل، اچھے وبرے اور

صحیح وغلط میں امتیاز کرتا ہے؛ لیکن جب آدمی علم دین کی روشنی سے محروم ہوگا، تو اس کو نہ صحیح عقائد کا علم ہوگا، نہ اچھے عمل کی اس کو پہچان ہوگی، نہ حق و باطل میں تمیز کر سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دین ہی سے دور اور ضلالت و گمراہی کی خطرناک وادیوں میں بھٹکتا رہے گا۔ الغرض اس صورت حال کو پیدا کرنے میں جہالت و دین سے ناواقفیت کو بڑا دخل ہے۔

اور یہ بات لوگوں کے احوال سے کھلی ہوئی ہے کہ وہ علم دین حاصل ہی نہیں کرتے، بچے پڑھنے کے قابل ہوتے ہی ان کے ماں باپ انھیں اسکول کے حوالے کر دیتے ہیں اور دین کے علم کی کوئی فکر نہیں کی جاتی، بس بہت زیادہ توجہ کی، تو یہ کیا کہ کسی مکتب میں ناظرہ قرآن پڑھا دیا اور کچھ دعائیں اور آداب یاد کرادئے، اس سے آگے دین کا علم کچھ نہیں دیا جاتا اور یہ بھی فارغ اوقات میں بہت غفلت وسستی کے ساتھ حاصل کرایا جاتا ہے، تو اس سے اسلامیات کی کیا تعلیم بچے کو حاصل ہوسکتی ہے؟ اس کا ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔

علماءِ ربانیین سے بدظنی وبے تعلقی

امت کے اس بگاڑ وفساد کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء ربانیین سے امت کا رشتہ کٹا ہوا ہے الا ماشاء اللہ؛ بلکہ امت کے اندر ایک طبقہ باقاعدہ اس کام پر لگا ہوا ہے کہ علماء حق کو بدنام کیا جائے، امت میں ان سے بدظنی پیدا کی جائے، لوگوں کو ان سے کاٹا جائے اور ان کی بے وقعتی وحقارت دلوں میں پیدا کی جائے۔

اس کا نتیجہ یہی ہے کہ لوگ علماء حق سے کٹتے و دور ہوتے جا رہے ہیں، ان سے بے نیازی برتی واعراض کیا جا رہا ہے، نتیجۃً دین وعلمِ دین سے بھی کٹتے جا رہے ہیں، اور عقائد کے بگاڑ واعمال کی کمزوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

حالانکہ علماء کا طبقہ ہی دراصل وہ طبقہ ہے، جس کو مآخذ شریعت کتاب وسنت کا علی وجہ الاتم والاکمل علم ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے سالہا سال کی جد وجہد کرتا اور مصائب ومسائل جھیلتا ہے، بھوک و پیاس، فقر وافلاس، سختی وشدت سب کو برداشت کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں دین وشریعت اور کتاب وسنت کے حقائق و معارف، اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور مزید یہ کہ ان کی صداقت و حقانیت، ان کی معقولیت وعالمگیریت پر کامل ایمان ویقین رکھتا ہے۔ نیز زندگی بھر لوگوں کی بے التفاتی وناقدری کے باوجود امت کے اندر دین وشریعت کی حفاظت و اشاعت وترویج کے لئے خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔

مگر افسوس کہ اسی طبقے کو امت کے بعض طبقات ناکارہ وبے ہودہ، غیر ضروری ولایعنی قرار دینے کی کوششوں میں اپنا اوقات صرف کرتے ہیں اور امت کو ان سے کاٹنے وتوڑنے کی مساعی کرتے ہیں۔

حالانکہ ثقہ وجانکار لوگوں نے تحقیق کی اور یہ بتایا ہے کہ اس دور میں علماء حق کے خلاف فضاء بنانے میں یہود ونصاری اور اسلام دشمن طاقتوں کا ہاتھ ہے، جنھوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ جب تک امت مسلمہ علماء سے جڑی رہے گی، اس وقت تک اسلام کو زیر کرنا ممکن نہیں، اور جب امت اپنے علماء سے کٹ جائے گی اور ان کا کوئی سر پرست ورہبر نہ ہوگا، تو ان کو کفر وضلالت کی جس وادی میں چاہے لے جاکر گرایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ان لوگوں نے علماء کی تحقیر وتوہین، ان سے استہزاء وتمسخر، ان سے بدظنی ولاتعلقی پر امت کے افراد کو ابھار دیا ہے، تاکہ آہستہ آہستہ لوگ علماء سے کٹتے جائیں اور بالآخر ان دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ لہٰذا امت کو اس بدترین فتنے کا واقف ہونا اور دشمنوں کی چالوں سے باخبر رہنا لازم ہے۔

قرآن وحدیث اور دینی علم سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھنے والا کبھی اس بات کوفراموش نہیں کرسکتا کہ علماء کے بغیر دین وعلم دین کی گاڑی کبھی چل نہیں سکتی؛ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہل واناڑی لوگ دین وعلم کی باتیں کرکے اور فتوے دیکر گمراہی کا دروازہ کھول دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فرمایا کہ

«إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِماً اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوساً جُهَّالاً ، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ أَضَلُّوْا.»

(اللہ تعالی اس طرح علم نہیں چھین لیتے کہ بندوں کے دلوں سے نکال لیں؛ بلکہ علماء کوموت دیکر علم کوچھین لیتے ہیں؛ یہاں تک کہ جب کسی عالم کوباقی نہ رکھیں گے،تو لوگ جاہلوں کواپنا سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلے پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے،خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کوبھی گمراہ کریں گے۔)

(بخاری:۹۸۔مسلم:۴۸۲۸۔ترمذی:۲۶۵۲۔ابن ماجہ:۵۲۔احمد:۶۵۱۱)

یہ حدیث نبوی صاف بتارہی ہے کہ امت کوعلماء کی کس قدر شدید ضرورت ہے، تاکہ ان کا دین وایمان محفوظ رہے اور وہ اپنی ایمانی وروحانی زندگی کا سفر بخیر وخوبی پورا کرسکیں۔

کیوں نہ ہو جبکہ حدیث کی شہادت یہ بھی ہے کہ حضرات علماء کرام کومقامِ وراثت انبیاء حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں آیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَبْتَغِیْ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیْقًا إِلَی الْجَنَّةِ وَ إِنَّ الْمَلَائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضَابِمَا یَصْنَعُ وَ إِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِیْ السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِیْ الْأَرْضِ حَتّٰی الْحِیْتَانُ فِیْ الْمَاءِ وَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِیَاءِ وَ إِنَّ الْأَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَ لَا دِرْهَمًا وَ إِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهٗ فَقَدْ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. »

(جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے، جس میں وہ علم طلب کرتا ہو، تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں اور بے شک ملائکہ طالبِ علم کے لئے اس کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے وہ ساری مخلوقات جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں، مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں؛ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسی تمام ستاروں پر چاند کی فضیلت ہے اور بلا شبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اپنی وراثت میں نہ دینار چھوڑ جاتے ہیں نہ درہم؛ بلکہ وہ تو علم کی وراثت چھوڑتے ہیں، پس جس نے اس علم کو لیا، اس نے وافر حصہ لے لیا۔)

(ترمذی: ۲۶۸۲۔ ابن ماجہ: ۲۲۳۔ ابن حبان: ۱/۲۸۹۔ مشکل الآثار: ۳/۱۰۔ ابوداود: ۳۶۴۳۔ شرح السنۃ: ۱/۲۷۶۔)

اس حدیث میں دیگر فضائل ومناقب کے ساتھ علماء کی ایک فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انھیں وراثت انبیاء کا مقام حاصل ہے۔

لہذا علماء کرام کا وجود امت کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ نبی کا وجود، کہ نبی احکام خداوندی سناتا و سمجھاتا، اوران پر چلانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح علماء بھی یہی کام کرتے ہیں اوران کو کرنا چاہئے۔

اور جب تک علماء کرام سے یہ کام ہوتا رہے گا اور لوگ ان سے استفادہ کرتے رہیں گے، اس وقت تک امت دین اسلام کی شاہراہ پر قائم ودائم رہے گی؛ ورنہ اس سے ہٹ جائے گی اور جہلاء امت ان کو گمراہ کرنے کی ساری تدبیریں آزماتے رہیں گے، جیسا کہ آج دیکھنے کو ملتا ہے۔

چنانچہ کوئی جاہل تفسیر کررہا ہے، کوئی محض ڈاکٹر وانجینئر ہونے کے باوجود حدیث وفقہ میں رائے زنی کررہا ہے اوراسلاف وائمہ کرام کی تردید وتغلیط کو شیوہ بنایا ہوا ہے اورلوگ ہیں کہ ان کو مان رہے ہیں اوران کے بیان پر علماء کو ٹھکرا رہے ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک معمولی دماغ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی فن کے بارے میں رائے دینے کا حق اسی کو حاصل ہے، جس نے اس فن کے پیچھے اپنی زندگی اور جان ومال لگایا ہواوراس کے اساتذہ وماہرین سے ایک معتد بہ زمانے تک اس کو حاصل کیا ہواوراگر کوئی اس علم سے جاہل وبے بہرہ ہو یا از خود کچھ مطالعہ کیا ہوا ہواوروہ میڈیکل سائنس یا کسی اورعلم کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے یا ان علوم وفنون کے ماہرین کو جنھوں نے اپنی زندگی اس کے پیچھے لگا کر، ماہر اساتذہ سے اس کو حاصل کیا ہے، ان کو جاہل وناواقف ٹھیراے اوران کی بیان کردہ تشریحات وتوضیحات کو غلط قرار دے، تو کیا کوئی عقل منداس کی بات کو قابل توجہ ولائق اعتماد سمجھ سکتا ہے؟

مگر کس قدر حیرت وافسوس کا موقعہ ہے کہ آج امت میں کچھ جاہل واناڑی لوگ، کوئی ڈاکٹر، کوئی انجینئر، کوئی پروفیسر جنھوں نے نہ کسی معتبر اساتذہ سے قرآن و حدیث کے علوم وفنون پڑھے، نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، نہ ایک زمانہ تک اس کو معتبر طریقہ سے حاصل کیا؛ بلکہ صرف اپنے ذاتی مطالعہ سے یا کسی اپنے ہی جیسے جاہل سے، یا کسی اردو ترجمہ کی مدد سے کچھ باتیں سیکھ لیں۔ وہ لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کو ہم جتنا سمجھتے ہیں، یہ علماء نہیں سمجھتے، اور دین کے بارے میں جس قدر بصیرت ہم کو ہے، علماء اس سے خالی ہیں۔ اور مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی ہانک اور مجنونوں کی بڑ کو ماننے وتسلیم کرنے والے بھی موجود ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی اناڑی اس قسم کا دعوی میڈیکل سائنس کے بارے میں کرے اور آپ کو دعوت دے کہ ڈاکٹر کچھ نہیں جانتے، میں نے کسی سے پڑھا تو نہیں ہے؛ لیکن میں نے اپنے طور سے میڈیکل سائنس کا بغور مطالعہ کیا ہے، میرے پاس سند وسرٹیفکیٹ تو نہیں ہے؛ لیکن میں سرٹیفکیٹ والے ڈاکٹروں سے زیادہ صلاحیت وتجربہ رکھتا ہوں، لہٰذا اپنا علاج میرے سے کراؤ، تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہوتے ہیں؟

اناڑی تو ایک طرف! ذرا گریبان میں منہ ڈال کر سوچئے اور بتایئے کہ کیا اگر یہ دعوی کوئی گراجویٹ، کوئی پروفیسر، کوئی انجینئر کرے، تو آپ اس کو روا و درست سمجھتے ہیں؟

نہیں؛ کیوں؟ ایک تو اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دعوے کرنے والا اس علم کا جانکار نہیں ہے، جو ڈاکٹروں کو حاصل ہے، لہٰذا ڈاکٹر جس نے اپنی زندگی اس علم کی تحصیل کے پیچھے لگائی اور اس کو حاصل کیا اور اس کے لئے محنت ومجاہدہ کیا۔ اس

کے مقابلے میں ایک اناڑی کی بات یا اس علم سے ناواقف شخص کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اس کے دعوے کو ہم یا تو کسی غلط فہمی یا جہالت وحماقت یا تعصب پر محمول کرتے ہیں اور اس سے اپنا علاج کرانے کی حماقت کبھی نہیں کرتے۔ اور دوسرے اس لئے کہ ہمارے نزدیک جان کی بڑی اہمیت ہے، لہٰذا ہم کسی اناڑی کے دعوے کو۔ جو ڈاکٹروں کے خلاف ہے۔ مان کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

اور یہ فیصلہ آپ کا بالکل برحق اور سو فی صد صحیح ہے، تو پھر قابل غور یہ ہے کہ دین کے بارے میں یہ اصول و سمجھ و بصیرت لوگوں سے کہاں غائب ہوگئی کہ وہ علماء کے مقابلہ میں جاہل کو ترجیح دیتے اور اس کی بات کو وقعت دیکر خود کے ایمان کو ہلاکت کے حوالے کر دیتے ہیں؟ جبکہ یہ معلوم ہے کہ ایک غیر عالم خواہ وہ اپنی کسی بھی فیلڈ کا ماہر کیوں نہ ہو، قرآن و حدیث کے علوم کا ماہر نہیں کہلا سکتا، اور جب تک ایک معتد بہ زمانہ اہل علم، ماہرین قرآن و حدیث کی صحبت و معیت میں رہ کر تحصیل نہیں کرتا، وہ عالم کا مقام نہیں حاصل کر سکتا۔

لہٰذا امت کو اپنے علماء حق و مشائخ ربانیین پر اعتماد ہونا چاہئے اور ان کے مقابلے میں جاہلوں، اناڑیوں، ناواقفوں سے دین حاصل نہیں کرنا چاہئے کہ خود ہی جو جانتا نہیں، تو کسی کو کیا وہ رہبری کر سکتا ہے؟

علماء سوء کی رخنہ اندازیاں

ایک اور بڑا سبب جس کی وجہ سے لوگوں میں ایمان کی کمزوری، عقائد کا بگاڑ، اور اعمال کا فساد جنم لیتے ہیں، وہ ہے علماء سوء کی حق کے خلاف ریشہ دوانیاں اور رخنہ اندازیاں۔ چونکہ ان کو دین کے بجائے دنیا مقصود ہوتی ہے؛ اس لئے وہ دنیا کی خاطر

دین کو بیچ دیتے اور حق کو چھپاتے اور تاویل کے پردے میں باطل کی ترویج کرتے رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ لوگوں کو حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے اور لوگ حق کے بجائے باطل کو، صحیح کی جگہ غلط کو اور سنت کے بدل بدعت کو اپنانے لگتے ہیں۔

اسی بات کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

"زمانہ ماضی میں جو بلا و آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہیں علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی۔ بادشاہوں کو یہی علماء سوء راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں، ان کے مقتداء یہی علماء سوء ہیں۔ علماء کے ماسوا گمراہوں کی گمراہی دوسروں تک کم ہی تجاوز کرتی ہے۔

(مکتوبات دفتر اول حصہ دوم، ص ۱۸۰، مکتوب نمبر: ۴۷)

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

"آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا، وہ علماء کی ہی کمبختی سے ظہور میں آیا تھا، اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مدِ نظر رکھ کر علماءِ دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے۔ علماءِ بد، دین کے چور ہیں، ان کا مقصود ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ وریاست و بزرگی حاصل ہوجائے۔ **العیاذ باللہ من فتنتھم** "اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے"۔

(مکتوبات دفتر اول حصہ سوم، ص: ۱۲۰، مکتوب نمبر: ۱۹۴)

ایک اور مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں کہ

''دنیا در دریائے بدعت غرق گشتہ است، و بہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، و باحیائے سنت لب کشاید، اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند، و محو کنندہائے سنت''۔

(ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعات کی تاریکیوں میں سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے، اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کو رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دوم، مکتوب نمبر: ۵۴)

امام ربانی کے دور میں جو گمراہی وضلالت، سنتوں سے دوری اور بدعات کا شیوع ہو گیا تھا، اس کی وجہ کیا تھی؟ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے حضرت امام ربانی کے حوالے سے اس کی تین وجوہات لکھی ہیں: ایک تو ارباب حکومت وسیاست۔ دوسرے علماء سوء اور تیسرے جاہل وگمراہ صوفی۔ پھر لکھتے ہیں کہ

''علماء سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے:

ایک باوجود نااہلیت اور ناخداترسی کے ادعاء اجتہاد اور نصوص کتاب و سنت میں تحریف معنوی کر کے نت نئے عقائد وخیالات کا اختراع اور خدا اور رسول اور قرآن وحدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج و اشاعت (ابوالفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا۔)

دوسرے بدعت حسنہ کے نام سے" دین میں نئی نئی ایجادیں ....اکثر وہ بلائیں جو علماء سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں، ان ہی دو دروازوں سے آتی تھیں؛ اس لئے حضرت مجدد نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی"۔

(تذکرہ امام ربانی:۱۵۷)

اہل حق اور علماء سوء کے درمیان حد فاصل

ایک حدیث میں علماء سوء کی علامت بھی مذکور ہے، جس سے علماءِ حق وعلماءِ سوء کے مابین حد فاصل بھی سمجھ میں آجاتی ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُخَالِطُوْا السُّلْطَانَ وَ يُدَاخِلُوْا الدُّنْيَا ، فَإِذَا خَالَطُوْا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوْا الدُّنْيَا فَقَدْخَانُوْا الرُّسُلَ ، فَاحْذَرُوْهُمْ ، وَ اعْتَزِلُوْهُمْ (وفي رواية: وَاجْتَنِبُوْهُمْ). »

(کنز العمال:۲۸۹۵۲۔)

(علماء کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے امین (اور حفاظت دین کے ذمہ دار) ہیں، بشرطیکہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں؛ لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر وشکر ہوگئے اور دنیا میں گھس گئے، تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی، پھر ان سے بچو اور ان سے الگ رہو۔)

اس حدیث میں علماء حق وعلماء سوء کی ایک پہچان وعلامت مذکور ہے، نیز علماء حق

کی ذمہ داری اور فضیلت کا بیان بھی ہے، فضیلت تو یہ کہ اس میں علماء کو ''امناء الرسل'' فرمایا گیا ہے، یعنی علماء اللہ کے بندوں پر اللہ کے رسولوں کے امین اور دین کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اُمناء امین کی جمع ہے اور امین وہ ہوتا ہے، جو دوسروں کی چیزوں کو امانت کے ساتھ رکھتا اور بحفاظت ان تک پہنچاتا ہو، لہٰذا علماء وہ فضیلت مآب لوگ ہیں، جو اللہ کے بندوں تک اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعت واحکام کو بحفاظت پوری امانت داری و دیانت داری کے ساتھ پہنچاتے ہوں، پھر اسی جملہ سے علماء کے منصب اور ان کی ذمہ داری بھی معلوم ہوئی کہ وہ اللہ کے دین کی اور اس کے احکامات کی حفاظت اور پھر بندوں تک ان کے پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، گویا حفاظتِ دین واشاعتِ دین دونوں کی ذمہ داریاں ہیں۔

اور اس لفظ ''اُمناء'' میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علماء کی خاص صفت امانت ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں رتی برابر خیانت کو روا نہیں رکھتے اور اپنی عقلوں اور نفسوں کی چاہت ومطالبہ پر دین میں حذف واضافہ، ترمیم وتبدیل اور تقدیم وتاخیر نہیں کرتے؛ بلکہ دین وشریعت کو 'جوں کا توں'' اللہ کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور حدیثِ مذکور میں علماء حق وعلماء سوء کی پہچان وعلامات کا بیان اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء اس وقت تک اللہ کے رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ وہ اہلِ اقتدار واہل حکومت سے گھل مل نہ جائیں اور دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں اور اگر وہ اہل اقتدار اور سلطنت سے گھل مل جائیں اور دنیا میں ملوث ہو جائیں، تو پھر وہ رسولوں کے خائن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اہل حق علماء اہل دنیا و دنیا سے دور ونفور رہتے ہیں، ان میں گھل مل

نہیں جاتے اوران کے ساتھ شیر وشکر نہیں ہوجاتے اوردنیا میں انہماک واشتغال نہیں رکھتے اورعلماءسوء کی پہچان اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ دنیا واہل دنیا کے پیچھے ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں، ان سے محبت والفت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اوردنیا کی فکر واہل دنیا کے شکر میں مشغول رہتے ہیں، اس علامت سے ان دوطبقات (علماءحق وعلماءسوء) کواچھی طرح پہنچانا جاسکتا ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے علماءسوء کی علامت کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سے بچ کر رہو۔

الغرض علماءسوء کا فتنہ امت کے حق میں ایک نہایت ہی خطرناک اور بڑا فتنہ ہوتا ہے۔

جاہل وگمراہ صوفیوں کا فتنہ

امت کے اس بگاڑ کا ایک سبب جاہل وگمراہ قسم کے صوفیوں کا امت کے اندر اثر ورسوخ ہے؛ حتی کہ اس گروہ نے عوام الناس وامراءوسیاست دانوں میں اپنا ایک مقام بنالیا ہے اوراس اثر ورسوخ کے ذریعہ عوام الناس کودین سے ہٹاتے اور گمراہ کن عقائد واعمال کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں جو ’’ہمہ اوست‘‘ (یعنی ہر چیز خدا ہے) کے قائل ہیں اور بعض اتحاد خالق ومخلوق اور حلول تک کے قائل ہیں اوران میں سے بعض کے نزدیک شریعت وطریقت دوالگ الگ راستے ہیں اور شریعت ان کے نزدیک دین کا چھلکا ہے؛ اس لئے یہ اس کوکوئی اہمیت نہیں دیتے، اور یہ خودبھی شرعی پابندیوں سے دور؛ بلکہ نفوررہتے ہیں اوردوسروں کوبھی اس سے دور ونفور رکھنے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اصل وروح طریقت ہے۔ پھر ان کے خیال کے مطابق طریقت میں شریعت کا کوئی دخل نہیں؛

بلکہ وہ شریعت سے بالکل الگ چیز ہے۔اس طرح طریقت وحقیقت کی اصطلاح سے عوام الناس کوگمراہی کے دلدل میں پھنساتے ہیں۔ان میں وہ بھی ہیں،جن کے یہاں نماز ہی معاف ہے یا یہ کہ ایک زمانے کے بعد معاف ہو جاتی ہے اور ایسے بھی لوگ ان میں ہیں، جو یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں محسوس کرتے کہ پیر صاحب ہی مریدین کی نماز پڑھ لیتے اور روزہ رکھ لیتے ہیں،لہذا مریدین کواس کی کوئی ضرورت نہیں ،بس وہ پیروں کو روپیہ پیسہ دیدیا کریں،تو سب کچھ پیر صاحب ہی کر لیتے ہیں۔اور یہی نہیں ؛ بلکہ یہ بھی معتبر ذرائع بتاتے ہیں کہ بعض ان میں سے اپنے مریدوں سے خود کا طواف کراتے اور یہ کہتے ہیں کہ پیر کا طواف نعوذ باللہ کعبہ شریف کے طواف سے افضل ہے۔اسی طرح بعض پیروں کے یہاں خیالی حج وعمرے بھی کرائے جاتے ہیں اور خیالی حج وعمرے کواصلی وحقیقی حج وعمرہ کے برابر باور کرایا جاتا ہے اور جاہل عوام ان پیروں کو ہزار دو ہزار روپے دیکر خیالی حج وعمرہ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ مکہ جا کرکون حج کرے، یہ سستے میں کام بن گیا۔اس طرح جاہل وگمراہ صوفی امت کو دین وشریعت سے برگشتہ کرنے کی مہم پر اپنی ساری توانائیاں صرف کررہے ہیں۔

ہائے افسوس!ان کا کوئی نوٹس لینے والانہیں ہے اوران ساری گمراہیوں کو امت میں درآنے کے مواقع فراہم کئے جارہے ہیں۔

دین میں غلو کا فتنہ

امت میں بگاڑ کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ’’غلو فی الدین‘‘ ہے،جس کی وجہ سے شرعی حدود پامال اور مختلف قسم کے غیر شرعی امور جنم لیتے ہیں،اورزیادہ تر

بدعات کی پیداوار بھی اسی سے ہوتی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ ''غلو فی الدین'' کی بیماری زیادہ تر ان لوگوں میں ہوتی ہے، جو دیندار کہلاتے یا دین سے وابستہ ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور ان میں افراد بھی شامل ہیں اور جماعتیں بھی داخل ہیں۔ اس لئے اس راہ سے آنے والا بگاڑ گہرائی و گیرائی دونوں طریقوں سے امت میں پھیل جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام میں غلو کی سخت ممانعت ہے اور قرآن کریم و حدیث رسول میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک ایک دلیل ذکر کی جاتی ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾ [مائدہ:۷۷]

(اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی پیروی کرو، جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔)

اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« يَآ اَيُّهَا النَّاسُ ! إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِيْ الدِّيْنِ »

(اے لوگو! تم دین میں غلو کرنے سے بچو؛ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں

کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔)

(ابن ماجہ:۳۰۲۹۔احمد:۳۲۴۸۔ معجم کبیر:۱۵۱۴۰،السنۃ لابن ابی عاصم:۹۸۔)

مذکورہ آیتِ کریمہ اور حدیث نبوی سے یہ معلوم ہوا کہ دین میں غلو کرنا ناجائز ہے اور اس کی سخت ممانعت ہے۔

غلو کے معنے ہیں: حد مقررہ سے آگے بڑھ جانا اور تجاوز کرنا، یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس میں ہر چیز کی حد مقرر ہے، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عبادت ہو یا حقوق وآداب ہوں یا معاشرت وتہذیب ہو یا اخلاق وکردار ہو، تمام ابواب میں اللہ ورسول کی بیان کردہ حدیں مقرر ہیں، جن سے تجاوز کرنا ناجائز ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾[البقرہ:۲۲۹]

(یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، لہذا ان کو نہ پھلانگنا، اور جو بھی اللہ کی حدوں کو پھلانگتا ہے، تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں)

الغرض دین اسلام میں ہر چیز ایک مقررہ حد ومعیار کے ساتھ ہے اور یہی درحقیقت اس کی خوبی وکمال ہے، یہاں کوئی بات بے ڈھنگی اور غیر مرتب نہیں، ہر چیز اپنے ایک حد واصول کے ساتھ میں ہے؛ لہٰذا ان حدود وقیود کو باقی رکھنا لازم و ضروری ہے، ان کو پامال کرنا اور ان سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اور اسی تجاوز کا نام ''غلو فی الدین'' ہے۔

پھر یہ غلو مختلف صورتوں وشکلوں سے پیدا ہوتا ہے:

(۱) ان میں سے افراط ہے ،یعنی یہ کہ دین کی مقررہ حدود سے آگے بڑھا جائے ، جیسے مثال کے طور پر اسلام نے حضرات انبیاء ورسل کی تعظیم وتوقیر کی حدیں مقرر کی ہیں اوران کوایک جانب اللہ کا بندہ قرار دیا اور دوسری جانب ان کوایک عظیم منصب کا حامل بھی بتایا؛ لہٰذا اگر کوئی ان حدود سے تجاوز کرتا ہے اوران حضرات کواس منصب ومقام سے بڑھا کر خدائی صفات ومقام کا حامل بنا تا ہے،تو یہ افراط ہے، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کواور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیکر یہی حرکت کی تھی ،اسی طرح اگر کوئی حضرات اولیاء اللہ کوان کے مقام سے بڑھاتا اوران کوبھی حاجت روا یا مشکل کشا اور عالم الغیب مانتا اورقرار دیتا ہے،تو وہ یہی افراط ہے،جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس افراط سے کس قدر بڑی گمراہی پیدا ہوئی اور ہوتی ہے کہ مخلوق کوخدا جیسا سمجھ لیا جاتا ہےاوراس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے، جواللہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

چنانچہ آج مزارات اولیاء اللہ پر جا کر دیکھوکہ اسی غلووافراط نے لوگوں کواولیاء اللہ کی محبت وعقیدت کے نام پرکس قدر گمراہی میں مبتلا کررکھا ہے؟ وہاں سجدے و طواف بھی ہورہے ہیں ،نذر ونیاز بھی جاری ہے ،اولیاء اللہ کے لئے مشکل کشائی و حاجت روائی کے مناصب بھی مانے جارہے ہیں ،علم غیب وقدرت کی صفات بھی تسلیم کی جارہی ہیں ۔یہ سب کیا ہے؟اسی غلوفی الدین کا نتیجہ ہے جس نے پچھلی امتوں کو ہلاکت وتباہی کے غار میں ڈھکیلا تھا۔

(۲) دوسری شکل غلو کی تفریط ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ورسول نے جو حدود مقرر کی ہیں،ان میں کمی کی جائے اور چیزوں وشخصوں کے مقررہ درجے سے

ان کو گھٹا دیا جائے ، یہ بھی غلو کی ایک شکل ہے ، جو کہ حرام ہے ۔ جیسے اسلام نے حضرات انبیاء واولیاء کا ایک مقام بتایا ہے، حضرات انبیاء کو مقام نبوت دیا تو ، اولیاء کو مقام ولایت عطا فرمایا ہے؛ لہذا اس مقام سے ان کو گھٹانا، ان کی تعظیم وتوقیر نہ کرنا، یا ان سے عداوت رکھنا، ان کی مخالفت کرنا، یہ سب تفریط ممنوع میں داخل ہے۔

جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہ مان کر ان کو نعوذ باللہ جھوٹا ومکار قرار دیا اور اسی طرح ان کو حرامی کہہ کر ان کی توہین کی اور اسی طرح بہت سے انبیاء کو قتل کیا، ان کو جھوٹا ٹھیرایا، ان کی ہجو کی ، یہ ان کے مقام میں تفریط وکمی کرنا ہے، جو کہ حرام ہے۔

اسی طرح کوئی شخص اللہ کے سچے ولیوں و سچے عالموں کی توہین وتذلیل کرتا ہے یا ان کو تکلیف پہنچاتا ہے، ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے، تو یہ بھی وہی تفریط حرام ہے۔

(۳) تیسری صورت غلو فی الدین کی یہ ہے کہ دین میں نئ نئ باتیں پیدا کی جائیں، اور یہ بھی کئ طرح سے ہوتا ہے:

ایک یہ کہ کوئی نئ عبادت پیدا کر لی جائے ، جیسے بعض لوگوں نے رجب یا شعبان کی ایک نماز ایجاد کر رکھی ہے ۔ یا ربیع الاول میں میلاد و ربیع الثانی میں گیارھویں، رجب میں کونڈے کی رسم وغیرہ مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح اذان ونماز کے پہلے وبعد بعض خاص خاص قسم کی نئ نئ باتیں لوگوں نے گھڑ رکھی ہیں۔

دوسری یہ کہ دین وشریعت کی باتوں میں اپنی جانب سے حدود و قیود لگا دئے جائیں۔

جیسے ایصال ثواب تو دین میں ثابت ہے، مگر اس کے لئ بعض لوگوں نے

وقت کی قید وتخصیص کی ہے، جیسے سوم، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کی رسمیں، یہ دراصل اپنی جانب سے وقت کی تخصیص ہے۔

یا جیسے خاص طریقے کی قید وتخصیص، جیسے، ایصال ثواب میں ''الفاتحہ'' اور اس کے ساتھ سامنے مٹھائی رکھنے اور اس کو لوگوں میں تقسیم کرنے کی قیدیں لگائی گئی ہیں یا خاص قسم کے چیزوں کی قید لگاتے ہیں، جیسے صدقے کے لئے کالا بکرا یا کالی مرغی وغیرہ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایصال ثواب اسی صورت وشکل سے ہوگا؛ حالانکہ شریعت نے یہ قیدیں نہیں بیان کی ہیں، لہٰذا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

اور جیسے بعض لوگوں نے بعض بعض مہینوں میں بعض کاموں کو خاص کر رکھا ہے، جیسے جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول میں، مظاہرۂ قرأت کی مجالس و دعاء کی مجالس کو رمضان المبارک کی طاق راتوں میں، یا خاص قسم کے بیانات کا سلسلہ مخصوص راتوں میں، وغیرہ امور بھی اسی لئے قابل نکیر ہیں کہ ان میں اپنی جانب سے تخصیصات وقید بندیاں کی گئی ہیں، جو کہ غلو کی ایک صورت ہے۔

الغرض کسی بھی دینی کام میں اپنی جانب سے قیدیں لگانا اور تخصیصات کرنا اور ان کو دین سمجھ لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ غلو فی الدین کی ممنوع صورت ہے۔

۞ تیسری یہ کہ دین میں جو چیز جس کیفیت کے ساتھ ہے، اسے اس سے ہٹا دیا جائے، جیسے کوئی بات فرض ہے، کوئی سنت، کوئی مستحب و جائز ہے، اسی طرح بعض امور اجتماعی کئے جاتے ہیں اور بعض انفرادی کئے جاتے ہیں۔ اگر ان امور کو ان کی اس کیفیت سے ہٹا کر فرض کو واجب یا واجب کو فرض، یا سنت کو واجب یا واجب کو سنت سمجھا جائے یا انفرادی طور پر کئے جانے والے کام کو اجتماعی طریقے سے کیا جائے یا اجتماعی کام کو انفرادی طور پر کیا جائے، تو یہ بھی غلو فی الدین کی ایک

صورت ہے۔

جیسے بعض لوگ اجتماعی طریقے پر مساجد میں سلام پڑھنے اور اس کے لئے کھڑے ہونے اور خاص قسم کے اشعار پڑھنے کو لازم سمجھتے اور قرار دیتے ہیں اور غیر لازم کو لازم سمجھتے ہیں اور دوسروں پر اس کا اصرار کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض جائز یا مستحب کاموں پر اس قدر اصرار کرتے ہیں، جیسے کوئی واجب ولازم چیز ہو، جیسے دعاء بعد الصلاۃ پر امام پر اصرار کیا جاتا ہے۔اور اگر امام دعاء زور سے نہ کرے یا اپنی دعا انفرادی طور پر کر لے تو، جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے ایک مستحب یا جائز کام کو فرض وواجب کے درجے میں سمجھ لیا ہے یا یہ کہ انفرادی کام کو اجتماعی طور پر کرنے کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی غلو فی الدین ہے اور فقہاء اس کو ''التزام مالا یلزم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی شکل غلو کی یہ ہے کہ منصوص وغیر منصوص میں فرق نہ کیا جائے اور دونوں کو برابر کر دیا جائے۔

منصوص وہ چیزیں ہیں، جنھیں اللہ ورسول نے دین وشریعت میں صاف وواضح طریقے سے بیان کر دی ہیں، اور غیر منصوص ان باتوں کو کہتے ہیں، جو دین وشریعت میں اس طرح بیان نہ کی گئی ہوں؛ بلکہ کسی عالم نے یا کسی شیخ نے یا کسی اور نے کسی مصلحت وضرورت کی وجہ سے ان کو جاری کیا ہو۔ یہ امور اگر چہ کہ جائز ہوں؛ مگر ان کا درجہ ظاہر ہے کہ منصوص کے برابر نہیں ہوسکتا۔

مگر غلو کرنے والوں نے ہمیشہ یہ کیا ہے کہ دونوں کو ایک جیسا قرار دیدیا اور جو معاملہ منصوص کے ساتھ کیا جانا چاہئے، وہی غیر منصوص کے ساتھ بھی وہ کرتے ہیں۔ یہ بھی غلو اور حد سے تجاوز ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت میں نماز اور نماز کا طریقہ، اس کے فرائض، واجبات، سنن ومستحبات، سب مقرر ومنصوص ہیں؛ مگر ذکر کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں؛ لہٰذا اگر کسی نے کوئی خاص طریقہ کسی حکمت ومصلحت سے ایجاد کیا، مثلاً یکسوئی پیدا کرنے یا دھیان جمانے کے لئے ضربیں لگانے کا طریقہ جیسا کہ حضرات صوفیاء میں ہے تو یہ ضرورت وحکمت کے پیش نظر جائز تو ہے؛ مگر اس کو منصوص کی طرح سمجھا جائے اور اس کو اختیار نہ کرنے والوں پر اس طرح نکیر کی جائے، جیسے کسی منصوص سنت کے ترک پر کی جاتی ہے، تو یہ بھی حرام وناجائز ہے؛ کیونکہ ایسا کرنے والے نے منصوص وغیر منصوص دونوں کو ایک ہی درجہ دیدیا۔

اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی بھی کام جو منصوص نہ ہو، وہ اس کام کے برابر نہیں ہوسکتا، جو منصوص ہے۔ دونوں کو ایک قرار دینا یا سمجھنا تجاوز وغلو کی صورت ہے۔

اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے کسی بھی کام کے سلسلے میں، جو طریقے منصوص اور شریعت میں مقرر نہیں ہیں، ان میں اگر ہم اپنی سہولت وضرورت اور اپنی حیثیت کے پیش نظر دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے کوئی طریقہ جاری کریں، تو یہ بلا شبہ ایک وسیلے وذریعے کی حد تک جائز ضرور ہے؛ لیکن ہمیں یہ اختیار نہیں کہ ہم اس کے ساتھ منصوص چیز کا سا معاملہ کریں اور سب کو اسی طریقے پر چلنے پر اصرار کریں اور جو کوئی اپنی ضرورت ومصلحت کی وجہ سے اسی دینی کام کے لئے کسی اور طریقے کو اختیار کرے، تو اس کو مطعون کریں؛ کیونکہ اللہ ورسول نے اسی طریقہ کو لازم نہیں قرار دیا ہے؛ لہٰذا ہمارا جاری کردہ طریقہ منصوص کی طرح لازم نہیں ہوجائے گا۔

(۵) پانچویں صورت غلو فی الدین کی یہ ہے کہ دین میں تعمق وتشدد کا مظاہرہ کیا جائے، جیسے شریعت نے جن امور کی اجازت دی اور ان کو مباح وحلال قرار دیا، ان

میں تشدد کیا جائے اور ان سے حرام کی طرح بچنے کی کوشش کی جائے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ

«لاَ تُشَدِّدُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ.»

(اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ تم پر سختی نہ کردی جائے، کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ نے اس پر بھی سختی کردی، پس یہ انہی کے بقایا ہیں، جو ان گرجاؤں اور کٹیوں میں ہیں۔)

(ابوداود:۴۹۰۶۔مسند ابویعلی:۳۶۹۴۔)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحِمَهُ اللهُ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرمایا کہ

''دین میں تحریف کا ایک سبب یہ تشدد بھی ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادات شاقہ کو اختیار کیا جائے، جس کا شارع نے حکم نہیں دیا، جیسے ہمیشہ روزہ رکھنا یا ہمیشہ رات بھر نماز میں کھڑے رہنا یا نکاح نہ کرنا اور آداب وسنن کا واجبات کی طرح التزام کرنا، حدیث میں اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما کو اس سے منع کیا اور فرمایا کہ دین پر غالب آتا ہے، اس پر دین غالب ہو جاتا ہے''، اور اگر یہ تشدد وتعمق کرنے والا کوئی استاذ وسردار ہوتا ہے، تو لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شرع کا حکم ہی یہ ہے۔ اور یہ تشدد یہود وعیسائیوں کے رھبان کی بیماری ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ:۱/۲۵۴)

جاہل وغالی صوفیوں میں اس قسم کی باتیں رائج ہیں اور لوگ ان کو دیکھ کر اسی کو دین سمجھتے اور اس کے خلاف کو دین سے خارج قرار دیتے ہیں۔

الغرض اس وقت امت کے اندر بگاڑ کا ایک سبب غلو فی الدین کی یہ صورتیں و شکلیں ہے۔

نوٹ: غلو کے بارے میں پوری تفصیلی بحث ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب ''غلو فی الدین'' میں لکھی ہے۔

اسکول وکالج ایمان کے لئے قتل گاہیں

اس صورت حال کے پیدا کرنے میں جہاں اور بہت سے عوامل واسباب کام کر رہے ہیں، وہیں ایک بڑا عامل وسبب موجودہ عصری تعلیم گاہیں بھی ہیں، جہاں کا نصاب ونظام اسی قسم کے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نظام کے تحت پرورش پانے والے لوگ عام طور پر بے دینی اور الحاد ودہریت یا کم از کم دین ومذہب کے بارے میں تشکک وتذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملے کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

علامہ شبلی نعمانی رَحِمَہُ اللہُ نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ

> ''جدید تعلیم میں مذہبی اثر نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ سینکڑوں تعلیم یافتہ مذہبی مسائل کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں، اخباروں میں آرٹیکل نکلتے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت، خاندان کو تباہ کر دینے والا ہے؛ اس لئے اس میں ترمیم ہونی چاہئے۔ ایک صاحب نے مضمون لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ جا کر بادشاہ ہو

گئے اور اس لئے قرآن مجید میں جو مدنی سورتیں ہیں وہ خدائی احکام نہیں؛ بلکہ شاہانہ قوانین ہیں۔ایک موقعہ پر مجھ سے لوگوں نے لکچر دینے کی درخواست کی ، میں نے پوچھا کس مضمون پر لکچر دوں ؟ ایک گریجویٹ مسلمان نے فرمایا کہ اور چاہے جس مضمون پر تقریر کیجئے؛ لیکن مذہب پر نہ کیجئے ،ہم لوگوں کو مذہب کے نام سے گھن آتی ہے ، (نقل کفر کفر نہ باشد) ۔ یہ صرف دو چار شخص کے خیالات نہیں ، مذہبی بے پروائی کی عام وبا چل رہی ہے ،فرق یہ ہے کہ اکثر لوگ دل کے خیالات دل ہی میں رکھتے ہیں اور بعض دلیر طبع لوگ ان کو ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔"

(خطبات شبلی:۵۸-۵۹)

علامہ اقبال رحمہ اللہ جو انہی کالجوں کے پروردہ اور یوروپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں ومکاریوں سے خوب واقف تھے، انھوں نے انہی حالات کے مطالعہ ومشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارح اقبالیات پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا ہے کہ

"تعلیم حاصل کر کے نوجوانوں کو سرکاری ملازمت تو بیشک مل جاتی ہے؛لیکن اس مغربی تعلیم کی وجہ سے ان کے اندر الحاد کا رنگ بھی تو

پیدا ہو جاتا ہے، مسلمان کے گھر میں دولت آ رہی ہے؛ لیکن کفر کی لعنت بھی اسکے ساتھ ساتھ داخل ہو رہی ہے، تو ایسی دولت کس کام کی؟ واضح ہو کہ مغربی تعلیم کے مضر ہونے پر اقبال نے فیصلہ ۱۹۱۳ء میں صادر کیا تھا اور قوم اس وقت سے لیکر تا ایندم اسی سمِ قاتل کو نوشِ جانِ ناتواں فرما رہی ہے، تو ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ مریض اب کس منزل میں ہوگا؟۔

(بانگ درا مع شرح: ص: ۵۵۷ تا ۵۵۸۔)

غرض یہ کہ مغربی تعلیم کی ساخت و پرداخت ہی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس سے کفر وشرک اور بغاوت وطغیانی اور الحاد و دہریت کے جذبات وخیالات جنم لیتے اور پرورش پاتے ہیں؛ کیونکہ ان تعلیم گاہوں میں علوم وفنون کی تعلیم کا جو منہج ہے، وہ مغربی ثقافت وتہذیب کے مزاج وخصوصیات سے تشکیل پایا ہوا ہے اور ان فکری و فلسفیانہ رجحانات کا آئینہ دار ہے جن سے مغربی ثقافت وتہذیب پروان چڑھی ہے۔

عقائد ونظریات کے علاوہ اس مغربی تہذیب وثقافت کے اثر سے مسلم سماج کو بے حجابی، عریانیت، فحاشی وننگے پن کا ایک سیلاب بلاخیز بھی اپنی رو میں بہا لے جا رہا ہے اور فیشن کے نام پر انسانیت سوز مراسم وانداز اختیار کیے جا رہے ہیں۔

بہت سارے لوگ اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج نے جو مغربی نظامِ تعلیم رائج کیا، اس کا مقصد انگریزی تعلیم سے زیادہ انگریزیت کی تعلیم تھی، وہ اس نظام کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں میں انگریزی ذہنیت کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا اور اس کی تصدیق ''لارڈ میکالے کی رپورٹ سے ہوتی ہے، جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مقبوضہ ہندوستان کے گورنر

جنرل کو پیش کی تھی، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ

''ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے، جو ہمارے اور ان کروڑں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت (ہندوستان میں) حکمران ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو؛ مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔''

(میکالے کا نظریہ تعلیم :ص/۶۹ بحوالہ ہمارا نظامِ تعلیم :ص/۵۰)

الغرض جدت پسندی کے اس طوفان نے اس طبقے کے ایمان کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور وہ بے ایمانی وارتداد کی طوفانی لہروں میں غوطے کھاتا دکھائی دے رہا ہے۔

ڈش، ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائیل

بے دینی یا دین سے دوری کی موجودہ فضاء کے پروان چڑھانے میں ایک بڑا زبردست عامل و باعث فحش و بے حیائی کے وہ عوامل واسباب ہیں، جو آج ہر ہر گھر کی زینت بنے ہوئے ہیں، جیسے اخبارات، میگزین، ریڈیو، ٹی وی، ڈش، موبائیل فون اور انٹرنیٹ وغیرہ، جن سے انتہائی منظّم طریقے پر انسانی وروحانی اقدار واخلاقی رجحانات کو پامال کرنے اور ان کی جگہ دینی بے حسی، اخلاقی گراوٹ، فکری بے راہ روی، جنسی آوارگی، نفس پرستی وعیش کوشی، مادیت پسندی ودنیا طلبی کو اجاگر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

نتیجہ واضح ہے کہ امت کے نوجوان لڑکوں ولڑکیوں میں آزادیٔ افکار وعملی بگاڑ، اخلاقی گراوٹ، فحش و بے حیائی، دین واہل دین سے بے زاری، علم دین کی بے وقعتی

وحقارت، جیسے انتہائی خطرناک رجحانات اور مفسد جراثیم منتقل ہورہے ہیں، بالخصوص انٹرنیٹ کی دنیا سے وابستہ لوگوں کا حال اس سلسلے میں سب سے زیادہ ناقابل بیان ہے۔

ایک دور ایسا تھا کہ کوئی فحش وبے حیائی کی باتوں کو دیکھنا چاہتا یا کسی غیر غلط تعلق کو قائم کرنا چاہتا یا کسی بے ہودہ عناصر سے وابستہ ہونا چاہتا تو، اس کو دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی برائی دوچار لوگوں کے سامنے آجاتی تھی، اور پھر اس کی اصلاح کی بھی تدبیریں سوچی جاسکتی تھیں، اور اصلاح کی امیدیں بھی رکھی جاسکتی تھیں؛ مگر اب حال یہ ہے کہ موبائیل میں چپ لگا کر یا انٹرنیٹ سے کیا کیا دیکھ رہا ہے؟ کیا سن رہا ہے اور کس سے کیا تعلقات وابستہ کررہا ہے؟ اس کا کسی کو پتہ تک نہیں چلتا، نہ ماں باپ کو، نہ کسی استاذ یا سرپرست کو، تو اصلاح کی کیا تدبیر کی جائے گی؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ برائیاں وخبائث اندر اندر جڑ پکڑتے جاتے ہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے، تو کوئی اصلاح کی امید بھی نہیں رہتی۔

اس طرح کتنے لڑکے ولڑکیاں برباد ہوچکے ہیں، کتنوں نے اپنی زندگیاں خراب کرلی ہیں، اس کا حساب واندازہ مشکل ہے۔

حدیث میں گانے بجانے والوں کے لئے سخت وعید موجود ہے:

« عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَرْفُوْعًا: یُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَۃً وَخَنَازِیْرَ،قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَیَشْھَدُوْنَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، قَالَ: نَعَمْ وَیُصَلُّوْنَ وَیَصُوْمُوْنَ وَیَحُجُّوْنَ، قَالُوْا: فَمَابَالُھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ اِتَّخَذُوْا الْمَعَازِفَ وَالْقِیْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَیَشْرَبُوْنَ ھٰذِہِ الْاَشْرِبَۃَ، فَبَاتُوْا عَلٰی لَھْوِھِمْ فَاَصْبَحُوْا قِرَدَۃً وَخَنَازِیْرَ. »

(رواہ سعید بن منصور، فتح الباری: ۱۰/۹۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہوجائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ توحید ورسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں وہ (برائے نام) نماز، ورزہ، اور حج بھی کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! پھران کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے (بالآخر) وہ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہیں گے اور صبح ہوگی، تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر نمازی بھی ہوں گے، روزہ کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے؛ مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے ناچنے نچانے اور ڈھول باجے اور میوزک وموسیقی کے دلدادہ اور شراب کے عادی اور رسیا ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کردیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہ کر سوئیں گے اور جو صبح اٹھیں گے، تو مسخ شدہ اٹھیں گے۔

اسلام میں گانا بجانا رقص وناچ حرام ہے اور شراب کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔ جب لوگ اس کے عادی ہوجائیں گے اور بظاہر نماز وروزہ کے پابند اور حج پر حج کرکے نیک نامی حاصل ہونے کے باوجود، وہ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے

تو اللہ تعالیٰ ان کو خنزیر اور بندر کی شکل میں تبدیل کر دیں گے۔ افسوس کہ آج بہت سے دیندار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عمرے پر عمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں ٹی وی رکھ کر اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ ورقص دیکھنے کے لئے کرتے ہیں اور تقریبوں میں بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہو چکی ہیں۔

یہ چند عناصر و اسباب ہیں، جو اس زمانے میں امت کے اندر لادینی والحاد کی فضا قائم کر رہے ہیں۔

تیسرا باب

اصلاحی اقدام کی ضرورت اور علماء کی ذمہ داریاں

روشن خیالی کے مدعی طبقہ کو ایک طرف رکھیں اور عام اہل اسلام کی صورت حال کو ایک جانب رکھیں اور ان ابواب میں ان کا جائزہ لیں، تو افسوس ناک حد تک مایوسی نظر آئے گی اور اس صورت حال کا جو بھی سنجیدگی سے جائزہ لے گا، اس کو امت کی اس حالت پر ضرور افسوس وغم ہوگا اور وہ ضرور یہ کہہ اٹھے گا کہ ہائے افسوس! بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟ اور ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا؟ ہائے ہم اپنی دنیا میں مست رہے اور ہیں اور اس طرح ہیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اور ہم پر وہی بات صادق آتی ہے، جو کسی شاعر نے کہی ہے

یوں مطمئن ہیں نبض شناسان زندگی
جیسے جبینِ وقت پہ کوئی شکن نہیں
مسندِ چمن پہ ہیں افسوس وہ جلوہ گر
جن کی نگاہ واقفِ رازِ چمن نہیں

بہر حال قابل غور بات یہ ہے کہ اس صورت حال کا تقاضا کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ خاموش تماشائی بنے رہیں؟ جو ہو رہا ہے، اس کو ہونے دیا جائے؟ اس بدعقیدگی و ایمانی کمزوری کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے؟ بدعملی و بے حیائی کی اس فضا کو دور کرنے کی کوئی سعی نہ کی جائے؟ یا یہ کہ امت کی اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کی جائے، اصلاحی اقدامات کئے جائیں، لوگوں کو ایمان کی حقیقت، اس کی قوت وطاقت سے آگاہ کیا جائے، ان کے قلوب میں ایمان کی روح پھونکی جائے، توحید خالص کا سبق پڑھایا جائے، وہم پرستی و جاہلانہ رسومات وجدت پسند رجحانات سے ان کو دور کرنے مہمیں چلائی جائیں اور اس صورت حال کو بدلنے اور امت کو صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش کی جائے اور دین وشریعت کی حفاظت کی ذمہ داری کا فریضہ انجام دیا جائے؟ الغرض اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ امت کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے اوپر شریعت کو نافذ کرے اور ہر اعتبار سے نافذ کرے، ایمان وعقیدہ ہو مضبوط ہو اور ایسا ہو، جو قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت ہوا ہو، عبادات واعمال شرعیہ کے ساتھ ہمارا لگاؤ اور تعلق ایسا ہو، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا تھا، ہمارے معاملات پاکیزہ اور صاف ہوں، ہماری معاشرت اسلامی اصول وآداب کی پابند ہو اور ہمارے اخلاق بلند ومعیاری ہوں اور ہماری سیاست نمونۂ اسلاف ہو اور اسلامی قوانین وفرامین کے تابع ہو۔

غرض یہ کہ آج امت میں کلی طور پر تبدیلی لانے اور پوری طرح سدھار لانے کی ضرورت ہے، جس کا واحد طریقہ خود پر اور دوسروں پر شریعت الٰہیہ کو نافذ کرنا ہے۔

اور اس سلسلہ میں اصل ذمہ داری حضرات علماء کرام کی ہے کہ وہی امت کی

اصلاح وہدایت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نائب ہیں اور اس نیابت نبوی کی وجہ سے ان کو یہ کام انجام دینا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ﴾

[المائدۃ : ٤٤]

(بلا شبہ ہم نے توارت نازل کی ،جس میں ہدایت ونور ہے ،اس کے موافق انبیاء علیہم السلام جو مطیع وفرمانبردار تھے ، یہود کو حکم دیتے ہیں اوران کے علماء ومشائخ بھی (اسی کا حکم دیتے تھے)؛ کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ دیا گیا تھا اور وہ اس پر نگران تھے)

امام رازی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

" وقد أخذ اللّٰهُ على العُلمَاء حِفْظَ كِتابِهِ عَلَى الوَجْهَين: أحدُهُما : أن يحْفَظُوهُ في صُدُوْرِهم ، و يَدْرُسُوه بألْسِنتِهم و الثاني أن لا يُضَيِّعُوا أحْكَامَه ، و لا يُهْمِلُوا شَرَائعَه "

(اور اللہ تعالی نے علماء پر دونوں طریقوں سے اس کی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی ہے: ایک تو یہ کہ وہ اس کو اپنے سینوں میں محفوظ کریں اور زبانوں سے اس کا درس دیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے احکام کو ضائع ہونے نہ دیں اور ان کی شریعت کو بے کار نہ چھوڑیں۔)

(التفسیر الکبیر للرازی: سورۂ مائدہ، آیت:۴۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"یعنی یہ انبیاء اور ان کے دونوں قسم کے نائبین علماء و مشائخ تورات کے احکام جاری کرنے کے پابند اس لئے تھے کہ اللہ تعالی نے تورات کی حفاظت ان کے ذمہ لگادی تھی اور انھوں نے اس کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا تھا"۔

(معارف القرآن:۳/۱۶۰)

اس میں وارثین انبیاء علماء و مشائخ کی ایک اہم ذمہ داری کا بیان ہے اور وہ ہے کتاب اللہ کی حفاظت اور اسی میں دین وشریعت کی حفاظت کا بیان آگیا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

﴿ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

[المائدۃ: ۶۲-۶۳]

(اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے میں آگے بڑھتے ہیں، پس برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں کیوں نہیں ان کے علماء و مشائخ ان کو گناہ اور حرام کھانے سے منع کرتے؟ برا ہے جو یہ کرتے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

" مَا فِى الْقُرْآنِ اَشَدُّ تَوْبِيْخًا مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ "(پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کسی اور جگہ نہیں ہے۔)

اور امام تفسیر حضرت ضحاک نے فرمایا کہ

''مَا فِیْ الْقُرْآنِ اَخْوَفُ عِنْدِیْ مِنْهَا '' (میرے نزدیک یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے)۔

(تفسیر خازن: ۵۹/۲، تفسیر کبیر: سورۂ مائدہ، آیت: ۶۳/۶۲)

امام رازی رَحِمَهُ اللهُ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

''اللہ تعالی نے علماء اہلِ حق سے اس بات کو بعید قرار دیا ہے کہ معمولی لوگوں اور عوام الناس کو وہ معاصی سے نہ روکیں اور یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ نہی عن المنکر کا تارک، خود مرتکب گناہ کے درجے میں ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی نے دونوں فریق (گناہ کے مرتکب ونہی عن المنکر کے تارک) کی مذمت ایک ہی لفظ (لَبِئْسَ) سے فرمائی ہے؛ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نہی عن المنکر کے تارک کی مذمت یہاں زیادہ قوت سے کی گئی ہے؛ کیونکہ گناہ، ظلم اور حرام خوری پر اقدام کرنے والوں کے بارے میں یہ فرمایا: '' لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. '' (المائدۃ: ۶۲) اور نہی عن المنکر کے تارک علماء کے بارے میں یوں فرمایا: '' لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ '' (المائدۃ: ۶۳) اور صنع فعل سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ عمل کو صناعت سے اس وقت تعبیر کرتے ہیں، جب وہ خوب اچھی طرح راسخ و پیوست و مستحکم ہو جائے؛ لہٰذا گناہ کرنے والوں کا جرم تو غیر راسخ ہوا اور نہی عن المنکر کے تارکین کا جرم راسخ و مستحکم ہوا۔

(تفسیر کبیر: سورۂ مائدہ، آیت: ۶۳/۶۲)

اوراس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دوطبقوں پر ہے: ایک مشائخ دوسرے علماء اوراس میں آخر میں فرمایا کہ:'' لبئس ما کانوا یصنعون'' یعنی علماء ومشائخ کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے،قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نیز لکھا کہ جس قوم کے لوگ جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے اوران کے مشائخ وعلماء کو یہ بھی اندازہ ہو کہ ہم ان کو روکیں گے،تو یہ باز آجائیں گے۔ایسے حالات میں اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان جرائم اور گناہوں کونہیں روکتے ،توان کا جرم اصل مجرموں ،بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ اشد ہے۔

(معارف القرآن:۳/۱۸۵-۱۸۶)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْن﴾[السجدۃ :۲۴]

(اور ہم نے ان میں امام بنائے ،جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے ،جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین کرتے تھے۔)

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا

مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡامِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ﴾

[اٰل عمران : ۱۶۴]

اس آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی کا بیان ہے؛ لہٰذا یہی سب کچھ علماء کی ذمہ داریوں میں بھی شامل ہوگا۔

مذکورہ امور کی کچھ تفصیل و تشریح حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے ایک بیان سے ہوتی ہے ،لہٰذا یہاں اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ

''شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں، جتنی نائبانِ رسول اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے ،جسمانی امراض کے طبیبوں کو بھی آرام اور فرصت کا موقعہ میسر آجاتا ہوگا؛ لیکن ان اطباءِ روح کے لئے کوئی موسم اعتدال و صحت کا نہیں ؛ لیکن علماء حق اور ''قَوَّامِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالۡقِسۡطِ'' (اللہ کے لئے کھڑی ہو جانے والی اور انصاف کی گواہ)جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں، جو حکومت وطاقت و دولت و فراغت ہی کے زمانے میں پیدا ہوتی ہیں اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں ، وہ اپنے فریضۂ احتساب ، نگرانی ،اخلاقی اور دینی رہنمائی کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے ۔اس وقت بھی ان کا جہاد اور ان کی جد و جہد، جاری رہتی

ہے۔

کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کررہے ہیں، کہیں سامان عیش وغفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے، کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے اور اس کو انڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کے لئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چیں بجبیں ہیں، کہیں بے حجابی، مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں؛ کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں، کہیں غیر مسلموں اور عجمیوں کی عادات اور خصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے؛ کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کررہے ہیں اور کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کررہے ہیں۔ اللہ کی محبت و طاعت کا شوق پیدا کررہے ہیں۔ امراضِ قلب، حسد، تکبر، حرص دنیا، دوسرے نفسانی وروحانی امراض کا علاج کررہے ہیں۔ کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اور اسلام کی سر حدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کررہے ہیں۔

پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں

مشغول نہیں تھے ،انہیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور
مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علماء حق اور ان کی جد و جہد سے
خالی نہیں رہا۔''

(خطبات علی میاں: ۶/ ۲۲۳-۲۲۴)

تبلیغ کے دوارکان: امر بالمعروف ونہی عن المنکر

حضرات علماء کے ذمہ میں آنے والے ان تمام امور کا خلاصہ دو باتیں ہیں اور یہی تبلیغ ودعوت کے دو بنیادی ارکان بھی ہیں: ایک امر بالمعروف۔ دوسرے نہی عن المنکر ۔جن کا قرآن وسنت میں بار بار حکم وترغیب اور ان کے ترک کی ممانعت اور وعید بیان کی گئی ہے۔

ایک جگہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[آل عمران : ۱۰۴]

(تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے ،جو خیر کی جانب دعوت دینے ،اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والی ہو اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔)

دوسرے موقعہ پر ارشاد ربانی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

[آل عمران : ۱۱۰]

(تم (اے امت محمد یہ!) بہترین امت ہو، جس کولوگوں کے نفع کے لئے برپا کیا گیا ہے، تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہواور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

نیز احادیث بھی اس سلسلے میں واضح اور دوٹوک طریقے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت وضرورت بیان کرتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ

« وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ . »

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالی اپنا عذاب تم پر بھیج دے۔ پھر تم اس سے دعا بھی کرو، تو وہ قبول نہیں کرے گا۔)

(ترمذی:۲۱۶۹)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

« مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَ إِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ، وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ . »

(تم میں سے جو شخص کسی منکر بات کو دیکھے، اس کو چاہئے کہ ہاتھ سے اس کو روک دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو، زبان سے منع کرے

اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم تر و کمزور درجہ ہے۔)

(مسلم:۱۸۶۔صحیح ابن حبان:۳۰۷۔)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تشریح وتوضیح

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کاندھلوی ''فضائل تبلیغ'' میں درج ذیل احادیث کا اس سلسلے میں ذکر کیا ہے:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے دیکھتا، تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر؛ لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست وبرخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ پہلے سے تھا، جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو، اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کردیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرماں برداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کردئے) پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں پڑھیں، وہ آیات یہ ہیں:

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ، كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا

قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿﴾
[مائدہ:۷۸-۸۱]

(بنی اسرائیل میں سے ملعون ہوئے، وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، داود علیہ السلام کی زبان پر اور مریم کے بیٹے، عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے۔ آپس میں منع نہ کرتے ان برے کاموں سے جن کو وہ کرتے تھے، کیا ہی برا کام ہے، جسے وہ انجام دیتے تھے۔ تم دیکھتے ہو، ان میں سے بہت سے لوگوں کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے لئے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور اس چیز پر، جو نبی پر اتری، تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے؛ لیکن ان میں کے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو، اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

(۲) دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤ گے، جب تک کہ ان کو ظلم سے نہ روک دو۔

(۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے قسم کھا کر فرمایا:

”تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو، ورنہ تمہارے قلوب اسی طرح خلط کر دئے جائیں گے، جس طرح ان لوگوں کے کردئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی، جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔

ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رَحِمَهُ اللّٰهُ فرماتے ہیں کہ

”آجکل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلح کل رہے، جس جگہ جاوے، ویسی ہی کہنے لگے، اسی کو کمال اور وسعت اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے؛ بلکہ جہاں امر بالمعروف وغیرہ قطعاً مفید نہ ہو، ممکن ہے کہ صرف سکوت کی گنجائش نکل آوے (نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی)؛ لیکن جہاں مفید ہوسکتا ہے مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت، اپنے دست نگر لوگوں میں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمالِ اخلاق نہیں؛ بلکہ سکوت کرنے والا شرعاً وعرفاً خود مجرم ہے۔ سفیان ثوری رَحِمَهُ اللّٰهُ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود ہو، (اغلب یہ ہے کہ) وہ مداہن ہوگا۔

متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ

جب کوئی گناہ مخفی طور پر کیا جاتا ہے تو، اس کی مضرت کرنے

والے ہی کو ہوتی ہے؛ لیکن جب کوئی گناہ کھلم کھلا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے ،تو اس کی مضرت اور نقصان بھی عام ہوتا ہے ۔اب ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کر لے کہ کتنے معاصی اس کے علم میں ایسے کئے جاتے ہیں ،جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی اور لا پرواہی اور بے التفاتی سے کام لیتا ہے ۔اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور اس کو کوتاہ نظر بتلایا جاتا ہے ، اس کی اعانت کرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے ۔

(فضائل اعمال :۱/۲۷۷-۲۷۸)

ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر تحریف دین کا سبب ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد

ان بیانات سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت معلوم ہوگئی ، اب اسی کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک بیان بھی حضرات علماء کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب ہے ،جس میں وہ کہتے ہیں کہ پچھلے دور میں جو یہود و نصاری کے دین وشریعت میں تحریفات ہوئی ہیں ، ان کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کے علماء کا ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے ان کی عبارت ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سے نقل کرتا ہوں:

'' و من أسباب التحريف التهاون ، و حقيقته : أن يخلف بعد الحواريين خلف أضاعوا الصلاة ، و اتبعوا

الشهوات ، لا يهتمون بإشاعة الدين تعلّماً و تعليماً و عملاً ، ولا يأمرون بالمعروف ولا ينهون عن المنكر ، فينعقد عما قريب رسوم خلاف الدين ، و تكون رغبة الطباع خلاف رغبة الشرائع ، فيجئ خلف آخرون يزيدون في التهاون حتى ينسى معظم العلم . و التهاون من سادة القوم و كبراؤهم أضر بهم و أكثر إفسادا ، و بهذا السبب ضاعت ملة نوح و إبراهيم عليهما السلام ، فلم يكد يوجد منهم من يعرفها على وجهها''.

(اورتحریف دین کے اسباب میں سے ایک سبب دین سے لاپروائی ہے اوراس کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں یعنی نبی کے اصحاب کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوں، جونمازوں کوضائع کریں اور خواہشات کی پیروی کریں اوردین کی اشاعت کا اہتمام،تعلیم وتعلم اور عمل کے لحاظ سے نہ کریں اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کریں۔ جس کے نتیجے میں بہت جلد دین مخالف رسومات جڑ پکڑلیں اورلوگوں کی طبیعتیں شریعتوں کی رغبت ومرضی کے خلاف بن جائیں، پھران کے بعد کچھ لوگ آکراس میں اضافہ کریں؛ یہاں تک کہ علم کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے اور یہ دین سے لاپروائی قوم کے بڑوں اور سرداروں کی جانب سے ہو،تو یہ زیادہ نقصان دہ اور فساد انگیز ہوتی ہے۔اور اسی سبب سے حضرت نوح وحضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں ضائع ہوئیں؛ یہاں تک کہ ان کی اصلی صورت میں جاننے والا

کوئی نہیں ملتا۔)

(حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۲۵۲)

اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ نے نہایت گہری بات فرمائی ہے، جو اہل علم حضرات کے لئے بالخصوص اور تمام اہل دین حضرات کے لئے بالعموم قابل غور ولائق اعتناء ہے۔ وہ یہ کہ دین کے بارے میں تہاون ولا پروائی اور اس کی وجہ سے علماء و اہل دین کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے غفلت اور اس کا ترک تحریفِ دین وشریعت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔

چنانچہ بعض جگہ یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جب یہ فریضہ ترک کر دیا جاتا ہے اور ایک عرصہ اس پر گزر جاتا ہے، تو لوگ بدعات وخرافات ہی کو دین وشریعت سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اسی وجہ سے جب ان کو اس کے ترک کی دعوت دی جاتی ہے، تو نہایت شد و مد کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری شریعت کو اللہ تعالی نے اپنی حفاظت کی ذمہ داری میں لے لیا ہے، اس لئے پوری طرح یہاں تحریف ہو جائے اور لوگ دین ہی کو نہ جان سکیں، ایسا نہ ہو گا؛ تاہم بعض علاقوں میں یا بعض لوگوں میں اس طرح کی نوبت کا آجانا مستبعد نہیں ہے؛ بلکہ مشاہد ہے۔

الغرض یہ آیات واحادیث اور حضرات اکابر کے بیانات سب کے سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت وضرورت کو واضح الفاظ میں بیان کر رہے ہیں؛ لہذا ایک جانب علماء کرام کو چاہئے کہ وہ امر بالمعروف کا اہتمام کریں، اور ایمان و عقیدے، عبادات واعمال، اخلاق و کردار، معاشرت وتہذیب، معاملات وتجارات کے سبھی شعبوں سے متعلق احکام شرعیہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائیں اور مکمل دین میں داخل ہونے اور تمام ابواب دین کو اپنانے کی ترغیب دیں، اس کی ضرورت

کا احساس دلائیں، ان کا اجر وثواب بتائیں۔ اوران کے ترک واعراض کا گناہ و وبال واضح کریں۔

الغرض " ادخلوا في السلم كافة "کا پیغامِ قرآنی گھر گھر میں اور در در پر پہنچائیں۔

دوسرے: نہی عن المنکر یعنی ہر قسم کے منکر و ناجائز کام کو روکنے اور اس کے ازالے کی فکر کریں، خواہ وہ عقائد کے منکرات ہوں یا عبادات کے، معاملات کے ہوں یا معاشرت کے، اخلاق کے ہوں یا تعلیم وتربیت کے۔

صلح کل ہونا کوئی بزرگی نہیں، بے دینی کی بات ہے

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بعض لوگوں نے جو یہ طریق بنالیا ہے کہ سب کے ساتھ صلح کل ہوکر رہتے، اور کسی کی کسی برائی پر روکنے وٹوکنے کو براخیال کرتے اور بزرگی وکمال کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ خلاف شرع بات ہے، کوئی کمال نہیں؛ بلکہ انتہائی نقص وعیب وقابل گرفت بات ہے۔

یہاں حضرت تھانوی کے ایک ارشاد کا خلاصہ نقل کردینا مناسب ہے، جو اسی قسم کی ذہنیت کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، وہ یہ کہ

> "آج کل درویش یا بزرگ کے معنی سمجھتے ہیں کہ نہ کسی کو کچھ کہے، نہ سنے، نہ روکے نہ ٹوکے، بس سب کے ساتھ صلح کل ہوکر رہے۔ اوراس کے لئے ایک شعر گھڑلیا ہے، جس میں " حافظا" دیکھ کر یا لگا کر اس کو خواجہ حافظ (شیرازی) علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کردیا ہے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ ، با برہمن رام رام

حالانکہ حافظ شیرازی شاید ’’رام رام‘‘ جانتے بھی نہ ہوں گے، پھر دیوان حافظ میں تحریفوں کے باوجود مزہ یہ ہے کہ اس شعر کا پتہ نہیں، ہاں کسی دیوانے حافظ کا ہوگا؛ البتہ ایک اور شعر بھی ہے، جس سے آج کل کے صوفی اپنے مسلک صلح کل پر استدلال کرتے ہیں اور وہ واقعی حافظ کا ہے:

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

تو اس کا سیدھا مطلب تو یہ ہے کہ آزار کے قصد سے کسی کو آزار نہ دو، اور یہی در حقیقت آزار کے درپے ہونا ہے۔ باقی جو شخص اصلاح کی غرض سے آزار دے جیسے طبیب و ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے یا باپ و استاذ تادیباً بچے کو مارتا ہے، اسی طرح اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے سے کسی کو آزار پہنچے بھی، تو یہ درپئے آزار ہونا نہیں ہے۔

(آداب تبلیغ مندرجہ خطبات حکیم الامت: ۱۳؍۷۷-۷۸)

الغرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بزرگی کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کی غلط فہمی یا شیطانی وسوسہ ہے۔ لہذا اس فریضہ کے سلسلے میں ایسی بے حقیقت ولا یعنی باتوں سے کوتاہی نہ ہونا چاہئے۔

ہاں! اس میں بھی قواعد وضوابط اور اصول وآداب کی رعایت رکھنا چاہئے، اندھا دھند نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس سلسلے میں علماء نے جو کتب تحریر کی ہیں ان سے استفادہ بھی کرنا چاہئے۔

مسلک اہل سنت کی حفاظت واشاعت

اوراسی میں مسلک اہل سنت کے خلاف جونظریات وعقائد اہل باطل کی جانب سے سامنے لائے جاتے ہیں اورامت میں پھیلائے جاتے ہیں، ان کے خلاف بھی آوازاٹھانا اوران کی روک تھام کی کوشش کرنا اورامت کومسلک اہل سنت سے آگاہ کرنا اوراس کی توضیح وتفصیل کرنا بھی داخل ہے۔

کیونکہ اسلاف نے جہاں دیگر منکرات کے خلاف کام کیا، وہیں مسلک اہل سنت کے خلاف رائج نظریات وعقائد کی بیخ کنی بھی کی اوراس کوایک اہم فرض سمجھا اوراس میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

اوراس کی ضرورت اس لئے ہے کہ کتاب وسنت سے جوکچھ مفہوم ہوتا ہے،اس کا اعتباراسی وقت ہے، جبکہ وہ اہل سنت یعنی صحابہ وتابعین و تبع تابعین وغیرہ حضرات کی سمجھ وفہم سے ہم آہنگ ہو؛ اگرکوئی شخص قرآن وسنت سے اخذ کرکے ایک ایسی بات سامنے لاتا ہے، جوصحابہ وتابعین وائمہ امت کے اخذ کردہ مفہوم سے الگ ہو،تواس کا کوئی اعتبارنہیں ہوگا۔

آج دنیا میں ہر باطل فرقہ وگمراہ طبقہ بھی قرآن وسنت ہی سے اپنے باطل مزعومات وگمراہ خیالات کی دلیل لاتا ہے؛ اگران سب کوتسلیم کرلیا جائے،تو قرآن و حدیث بازیچہ اطفال بن جائیں گے۔

اسی لئے ایک حدیث میں جہاں یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ اہل حق ہمیشہ احقاق حق وابطال باطل میں لگے رہیں گے، وہیں اس میں ان اہل حق علماء کی ذمہ داریوں کی جانب بھی واضح اشارے دئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ

" يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عَدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَ تَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ."

(اس علم دین کو ہر بعد کے لوگوں میں سے قابل اعتبار لوگ اٹھائیں گے۔اس حال میں کہ وہ غلو کرنے والوں کی تحریف اور جاہلین کی تاویل اور باطل پرستوں کے دعوے کی نفی کرتے ہوں گے۔)

(مسند بزار : ۹۴۲۳۔ مشکل الآثار طحاوی: ۳۸۸۴۔مسند الشامیین :۵۹۹۔الاحکام الشرعیہ للاشبیلی :۱/۳۴۲۔)

اس میں اہل علم کی تین اہم ذمہ داریوں وکاموں کی جانب اشارہ ہے: ایک یہ کہ ''غالی لوگوں کی تحریف کا پردہ چاک کرنا''۔غالی سے مراد اہل بدعت ہیں، جو دین میں غلو کرتے ہوئے اپنے غلو پر قرآن وسنت سے دلیل لانے کی بے جا کوشش کرتے ہیں اور اپنے مقصد ومنشاً کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت میں تحریف سے کام لیتے ہیں۔لہٰذا اہل علم حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ ان غالیوں و بدعتیوں کی ان تحریفات کا پردہ چاک کریں۔

دوسرے یہ کہ ''جاہلوں کی تاویل کا رد کرنا''۔ جاہل سے مراد قرآن وحدیث کے علوم سے جاہل اور تاویل سے مراد ایسی تاویل ہے، جو حق وصواب سے دور ہو، جب کوئی قرآن وحدیث سے بے بہرہ (اگر چہ وہ ڈاکٹر وانجینئر یا کچھ اور ہو) کسی آیت وحدیث میں من مانی تاویل کرے اور سلف کی تفسیر وتشریح سے ہٹ کر ان کے معانی بیان کرے،تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ان باطل وغلط تاویل کا رد کر کے صحیح و مستند تاویل پیش کریں۔جیسے آجکل بعض دنیوی علوم پڑھے ہوئے لوگ محض اہل علم سے تعصب کی بنا پر قرآن وسنت میں دخل دیتے اور من مانی معانی وتاویلات پیش

کرتے اورعوام کوگمراہ کرتے رہتے ہیں، لہذا اہل علم ان کا رد کریں۔

اور تیسرے یہ کہ ''باطل پرست لوگوں کے دعوے کی تردید کرنا''۔ انتحال کے معنے ہیں اپنے لئے کسی چیز کا دعوی کرنا، اور مراد یہ ہے کہ باطل پرست لوگ جب کسی غلط بات کا دعوی کریں اور لوگوں کو گمراہ کریں، تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ان باطل دعوؤں کے بطلان کو واضح کریں اور ان کی خامیوں کو سامنے لائیں؛ تاکہ حق و باطل میں فرق ہوجائے۔

ظاہر ہے کہ اگر اہل علم یہ کام نہیں کریں گے، تو حق و باطل کا امتیاز ختم ہوجائے گا اور اہل باطل اپنی چکنی چپڑی باتوں سے عوام میں اپنی بدعات و باطل نظریات کو فروغ دینے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس بات کی وضاحت کس شاندار انداز سے فرمائی ہے، کہتے ہیں کہ

> ''معلوم ہونا چاہئے کہ ضروریات طریق میں سے یہ بھی ہے کہ صحیح عقیدہ رکھا جائے، جس کو علماء اہل سنت نے کتاب وسنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو، نیز یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ قرآن وحدیث کوانہی معانی پر محمول کیا جائے، جو علماء اہل سنت نے سمجھے ہوں اور اگر بالفرض کشف والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی معلوم ہوں، تو اس کا اعتبار نہیں؛ بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہئے؛ کیونکہ جمہور علماء کی آراء کے خلاف جو معانی سمجھے جائیں، وہ مقام اعتبار سے قطعا ساقط ہیں؛ اس لئے کہ ہر مبتدع اور گمراہ اپنے معتقدات کو بزعم خود قرآن حدیث ہی سے نکالتا ہے، ....

..............یہ جو میں نے دعوی کیا کہ علماء اہل حق ہی کے سمجھے ہوئے معانی معتبر ہیں اور ان کے خلاف کسی اور کے سمجھے ہوئے معتبر نہیں، تو یہ اس واسطے کہ علماء اہل حق نے ان معانی کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے چشمۂ فیوض سے حاصل کیا ہے اور انہی کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے۔

(مکتوبات امام ربانی، دفتر اول: مکتوب:۲۸۶)

لہذا مسلک اہل سنت ہی حق و اصل ہے؛ اس لئے اسی پر جمنے و جمانے کی کوششیں وتدبیریں کی جانی چاہئیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کے رد میں لکھے گئے اپنے رسالہ کے ابتدائیہ میں لکھا ہے:

"لیکن ادھر کئی برس سے حالات ایسے رونما ہوتے گئے کہ ان پر نقد و تبصرہ کرنے اور ان کی کجروی ظاہر کرنے کے سلسلے میں میری طبیعت کشمکش سے دوچار ہوتی گئی اور سکوت طویل ہوتا گیا، اب محسوس کرتا ہوں کہ خاموشی ایک نا قابل عفو گناہ اور شدید جرم ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے افکار ونظریات کا بے لاگ تجزیہ کر کے اور خوب چھان پھٹک کر کے بغیر کسی رعایت و مداہنت کے حق کا اثبات و باطل کا ابطال کر دوں؛ کیونکہ امت کا فریضہ ہے کہ دین کی بنیادوں کو الحاد وتحریف کے رخنوں سے محفوظ رکھے۔

(مودودی صاحب- افکار ونظریات:۲۱)

جب ایران میں خمینی نے اسلام کے نام سے شیعیت کو فروغ دیا اور شیعہ

عقائد کو اپنی کتابوں میں لکھ کر اسلام کے نام سے پیش کیا اور اس وقت بہت سے اسلام کے نام لیوا؛ بلکہ فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج وغلبہ کے داعی بھی خمینی سے متأثر ہوگئے اور اس کی تائید میں اس کو اسلام کا ہیرو قرار دینے لگے اور شیعی عقائد کی گمراہی کو ''اتحاد واتفاق'' کے نام سے قبول کرنے لگے، تو اس وقت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''عقیدہ کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جارہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابل فکر بات ہے، انبیاء و غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حد فاصل یہی عقیدہ ہے، جس پر وہ کسی سمجھوتے اور اونے پونے سودا کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ان کے یہاں ردو قبول، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار اور وصل وفصل کی شرط ہی عقیدہ ہوتا ہے۔ یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصلی شکل میں اس وقت تک موجود ہے، اسی عقیدہ کے معاملہ میں صلابت واستقامت اور غیرت وحمیت کا مرہون منت ہے۔ دین کے شارحین ومحافظین نے اس سلسلہ میں کسی باجبروت طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا؛ چہ جائیکہ مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف وتفریق سے بچنے کے لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوائی کرتے۔ امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ) کا نہ صرف مسلمانوں کے دو

سب سے بڑے حکمرانوں ؛ بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرماں رواؤں خلیفہ مامون الرشید اور معتصم بن ہارون رشید کے مقابلہ میں صف آرا ہوجانا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی (م: ۱۰۳۴ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدۂ ہزارۂ دوم، دعوائے امامت واجتہاد اور وحدت ادیان کی مخالفت کرنا، پھر جہانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک مغلیہ حکومت کا رخ بدل نہیں گیا، اس کی دو مثالیں ہیں؛ ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر ''**كلمة حق عند سلطان جائر**'' اور'' **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق** '' کی بیسیوں تابناک مثالیں رکھتی ہے۔ یہ سلطان جائر کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے، کبھی رائے عامہ، کبھی شہرت عام، کبھی دل فریب کامیابیاں، اور بلند بانگ دعاوی۔ اور تاریخ وتجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

(مقدمہ ایرانی انقلاب شیعیت اور امام خمینی: ۱۴-۱۵)

نیز آپ نے حضرات علماء وطلبہ کو جن کا فریضہ ہی احقاق حق وابطال باطل ہے اور وہ دنیا میں ''شہادت حق'' کا فرض ادا کرنے کے لئے ہی جلوہ گر ہوئے ہیں، ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا ؛ لیکن ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم '' اب آپ سے رخصت ہونے سے پہلے میں ایک آخری چیز کہنا چاہتا ہوں جو اگرچہ آخر میں کہی جارہی ہے؛ مگر وہ اہمیت میں کسی سے کم نہیں، آپ کے اور ہمارے اسلاف کا سب سے بڑا

کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی اور وقت کے کسی فتنے کے سامنے سپرنہیں ڈالی، انہوں نے بدعات ورسوم اور شعائر جاہلیت کے معاملہ میں بھی مداہنت وتساہل سے کام نہیں لیا، آپ کے اسلاف میں حضرت مولا شاہ محمد اسماعیل شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ جیسے جبل استقامت اور نقیب شریعت گزرے ہیں، جنہوں نے سب کچھ گوارا کیا؛ مگر کسی خلاف شریعت فعل اور کسی بدعات کے ساتھ رعایت نہیں برتی، انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد جب اس ملک پر مغربی تہذیب وعادات اور ملحدانہ عقائد وخیالات کا سیلاب آیا تو آپ چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، آپ کے اسلاف شریعت کے بارے میں اتنے ذکی الحس اتنے دوربین اور اتنے غیور واقع ہوئے تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک بدعات کو سند جواز نہیں دی جو مسلمانوں کی زندگی کا جزء بنتی جاتی تھیں، انہوں نے محتسب اور شریعت کے بے لاگ منتظم کے فرائض انجام دیئے اور ان کی نگاہ احتساب سے کوئی انحراف اور بدعت بچ کر نہیں نکل سکی انہوں نے عوام کا عتاب، لوگوں کی ملامت، تکفیر کے فتوے، مقاطعہ اور ایذا رسانی سب کچھ گوارا کیا؛ مگر اپنے مسلک کو نہیں چھوڑا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ جو زیادہ سنجیدہ، باوقار اور صاحب فکر ہے ان بدعات سے محفوظ ہے اور یہ بدعات ابھی تک مسلمانوں کی زندگی میں مستند اور مسلم نہیں ہوسکیں، اللہ

تعالیٰ ان خادمین شریعت اوران محافظین دین کی تربتیں ٹھنڈی رکھے اور ان کوامت کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگاہ بانی کرے

(پاجا سراغ زندگی:۱۱۸)

اسی کتاب میں ایک اورموقعہ پرفرماتے ہیں کہ:

"عزیز طلبہ! آپ کے اسلاف وہ تھے جنھوں نے بدعات کے ساتھ ادنیٰ مصالحت گوارا نہیں کی، آپ کے اسلاف نے آج تک مولود کے قیام کی اجازت نہیں دی، کتنے رسوم و طریقے ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہوگئے اور انھوں نے مذہبی فرائض اور دینی شعائر کی حیثیت اختیار کر لی ہے؛ لیکن آپ کا جس مکتبِ خیال اور مسلک سے تعلق ہے اس کے علما نے ان کی ہمیشہ مخالفت کی اور ان کو بدعت اور بے اصل بتایا، اس کی ان کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، ان کا مقاطعہ کیا گیا، ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر و ضلالت کے فتوے لگائے گئے، وہ بہت سی دنیوی مفادات اور لذتوں سے محروم رہے؛ لیکن انھوں نے ان چیزوں کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی اور کسی مداہنت اور مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا، میرا خود اسی کیمپ سے تعلق ہے جو شرک و بدعات کے مقابلہ میں سربکف رہا ہے؛ بلکہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے جو اس سلسلہ میں بہت آگے رہا ہے اور جو شرک و بدعات کے معاملے میں

زیادہ ذکی الحس واقع ہوا ہے، میرا نسبی وروحانی اور ذہنی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ سے ہے جنہوں نے اس ملک میں احیائے توحید اور سنت کی دعوت کا علم بلند کیا اور اس کے لیے جان کی بازی لگادی، اگر میری جرأت معاف کی جائے تو میں کہوں کہ آپ کے کیمپ میں بھی یہ خیال اور یہ دعوت وحمیت اسی کیمپ سے آئی ہے؛ اس لیے مجھے یہ پوری تاریخ عزیز ہے، میں اس پورے ورثے کو سینے سے؛ بلکہ آنکھوں سے لگاتا ہوں، نہ اس پر شرمسار ہوں اور نہ اس سے دستبردار، میری تمام تحریریں، میری حقیر کاوشیں اور کوششیں سب اسی ورثے کی حفاظت اس کی تبلیغ واشاعت اور اس کی بازیافت میں صرف ہوئی ہیں۔

میں کہ مری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

میرے کوتاہ قلم نے ''دعوت وعزیمت'' کی داستان تفصیل سے بیان کی ہے اور اس موضوع پر ہزاروں صفحات سیاہ کیے ہیں، مجھ پر ان کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے بھی ذمہ داری ہے کہ میں آپ کا احتساب کروں۔

آپ ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنھوں نے دین میں ادنیٰ تحریف اور مسلمانوں کے ادنیٰ انحراف کو برداشت نہیں کیا، آج معاملہ بدعات کا نہیں، آج معاملہ انگریزی تعلیم کا نہیں آج معاملہ ایک طرف شرکِ جلی، اصنام پرستی، دیومالائی عقائد (میتھالوجی) کا ہے، آج

معاملہ برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت کے قبول کرنے کا ہے، دوسری طرف آج معاملہ مکمل لادینیت اور کمیونیزم کے قبول یارد کرنے کا ہے، آج معاملہ ایک ایسی قوم کی حیثیت اختیار کرنے کا ہے جس کی ساری وفاداریاں، وابستگیاں اس خاک کے ساتھ ہیں جن سے ہماری ظاہری جسم کا خمیر اٹھا ہے، اسی کے لئے جینا اور مرنا ہے، آج کا چیلنج اور آج کا خطرہ پچھلے تمام چیلنجوں اور خطرات سے زیادہ سنگین ہے اور اس کے قبول کرنے کے لیے کہیں زیادہ جرأت، کہیں زیادہ ایمان اور استقامت اور کہیں زیادہ ایثار وقربانی کی ضرورت ہے۔

(پاجا سراغ زندگی:۱۳۶)

اب مسلک اہل سنت کے علماء کا غیر اہل سنت کے سلسلے میں کیا رویہ وسلوک تھا اور ہونا چاہیئے؟ اس سلسلے میں چند حوالے سنتے چلئے ، امام محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''وَ قَدْ مَضَتِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُوْنَ وَ أَتْبَاعُهُمْ وَ عُلَمَاءُ السُّنَنِ عَلٰى هٰذَا مُجْمِعِيْنَ مُتَّفِقِيْنَ عَلٰى مُعَادَاةِ أَهْلِ الْبِدَعِ وَمُهَاجَرَتِهِمْ '' (حضرات صحابہ وتابعین و تبع تابعین اور علماء اہل سنت سب کے سب اہل بدعت سے عداوت و دوری رکھنے پر متفق ومتحد ہیں۔)

(شرح السنۃ:۱/۲۲۷)

امام شاطبی کہتے ہیں:

''إِنَّ فِرْقَةَ النَّجَاةِ وَ هُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ مَأْمُوْرُوْنَ بِعَدَاوَةِ

أَهْلِ الْبِدَعِ ، وَ التَّشْرِيْدِ بِهِمْ ، وَ التَّنْكِيْلِ بِمَنْ انْحَاشَ إِلٰى جِهَتِهِمْ ، وَ نَحْنُ مَأْمُوْرُوْنَ بِعَدَاوَتِهِمْ ، وَ هُمْ مَأْمُوْرُوْنَ بِمُوَالاتِنَا ، وَ الرُّجُوْعِ إِلَى الْجَمَاعَةِ "

(نجات پانے والا فرقہ وہ اہل سنت ہیں جو اہل بدعت سے عداوت رکھنے، ان سے علیحدگی اختیار کرنے اور جو لوگ ان کی جانب مائل ہیں، ان کو سزا دینے کے مأمور ہیں اور ہمیں ان سے عداوت رکھنے کا اور ان کو ہم سے دوستی رکھنے اور اہل سنت والجماعت کی جانب رجوع کرنے کا حکم ہے۔)

(الاعتصام:۱/۱۲۰)

امام ابوعثمان اسماعیل الصابونی ''عقیدۃ السلف'' میں لکھتے ہیں کہ

''وَ اتَّفَقُوْا مَعَ ذٰلِکَ عَلَى الْقَوْلِ بِقَهْرِ أَهْلِ الْبِدَعِ ، وَ إِذْلَالِهِمْ ، وَ إِخْزَائِهِمْ ، وَ إِبْعَادِهِمْ ، وَ إِقْصَائِهِمْ ، وَ التَّبَاعُدِ مِنْهُمْ ، وَ مِنْ مُصَاحَبَتِهِمْ ، وَ مُعَاشَرَتِهِمْ ، وَالتَّقَرُّبِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِمُجَانَبَتِهِمْ وَ مُهَاجَرَتِهِمْ "

(اسی کے ساتھ اہل سنت نے اہل بدعت کے مقہور و ذلیل و رسوا کرنے اور اپنے سے دور کرنے اور ان کو دور رکھنے، ان کے ساتھ مصاحبت و معاشرت اختیار نہ کرنے اور ان سے علاحدگی کے ذریعہ اللہ کا قرب پانے پر اتفاق کیا ہے۔)

(عقیدۃ السلف:۳۹)

اور ایک حوالہ لیجئے اور غور کیجئے! علامہ ابن تیمیہ اپنے ''مجموع الفتاوی'' میں

لکھتے ہیں کہ

''وَيَجِبُ عُقُوبَةُ كُلِّ مَن انتَسَبَ إِلىٰ أَهْلِ البِدْعَةِ أَو ذَبَّ عَنهُمْ أو أَثْنىٰ عَلَيْهِمْ أو عَظَّمَ كُتُبَهُم أو عُرِفَ بِمُسَاعَدَتِهِمْ و مُعَاوَنَتِهِم أو كَرِهَ الكلامَ فِيهِمْ أو أَخَذَ يَعْتَذِرُ لَهُم ؛ بل تَجِبُ عُقُوبَةُ كُلِّ مَن عَرَفَ حَالَهُم ولَمْ يُعَاوِنْ عَلَى القِيَامِ عَلَيْهِم ؛ فإنَّ القِيَامَ عليهم مِنْ أَوْجَبِ الوَاجِبَاتِ''۔

(مجموع الفتاوی:۱۳۲/۲)

(اور ہر اس شخص کو سزا دینا واجب ہے، جو اہل بدعت کی جانب منسوب ہو یا جو ان کا دفاع کرے یا جو ان کی تعریف کرے یا ان کی کتابوں کی قدر کرے یا جو ان کی مدد وتعاون کرنے میں مشہور ہو یا ان بدعتیوں کے بارے میں کلام کرنے کو برا سمجھے یا ان کے حق میں عذر پیش کرنے لگے، بلکہ ہر اس شخص کو سزا دینا لازم ہے، جو ان اہل بدعت کا حال جاننے کے باوجود ان کے خلاف کھڑے ہونے کے سلسلے میں کوئی تعاون نہ کرے؛ کیونکہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا سب سے بڑا واجب وضروری کام ہے۔)

ان تمام حوالوں سے معلوم ہو گیا کہ مسلک اہل سنت کی ترویج واشاعت اور اہل باطل سے دوری وبعد اور ان سے علمی طور پر اختلاف اور ان کی دلائل سے تردید بھی ایک اہم کام ہے اور لازم وضروری ہے، اس کو غلط ٹھیرانے والے اور فتنہ قرار دینے والے معلوم نہیں، ان بزرگوں اور ائمہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ

حضرات بھی فتین تھے اور دین وشریعت کے خلاف چلتے اور لوگوں کو چلاتے تھے اور امت کو لڑانے کا کام کرتے تھے؟

اہل باطل کی تردید تفرقہ بازی نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ ''اہل باطل کی تردید سے امت میں تفرقہ پیدا ہوگا اور یہ شرعاً حرام ہے؛ اس لئے ان لوگوں کی تردید بھی ناجائز ہے یا یہ کہ یہ نامناسب ہے''، اور پھر بدعات وخرافات کے خلاف آواز اٹھانے کو بھی تفرقہ بازی سے تعبیر کرتے اور آواز اٹھانے والوں کو امت میں پھوٹ ڈالنے والے اور شر پسند وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کے مزاج سے ناواقفیت یا عدم وابستگی کا نتیجہ ہے؛ ورنہ یہ سوچئے کہ یہ اکابر اہل سنت جن، کے اقوال ابھی پڑھے گئے، وہ سب کیا شر پسند وتفرقہ ڈالنے اور امت کو لڑانے والے تھے؟

الحاصل علماء امت کی ذمہ داریاں بہت ہیں اور وہ سب دراصل وراثت نبوی کے منصب جلیل کا تقاضا ہے؛ لہذا ان ذمہ داریوں کی انجام دہی کی فکر اور امت کو راہ راست پر لانے کے لئے محنت ومجاہدہ لازم ہے۔

چوتھا باب

اکابر اسلاف کا باطل فرقوں وبدعات کے خلاف محاذ

اخیر میں سلف صالحین کی سیرت سے رہنمائی کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح عقائد واعمال کے سلسلے میں ان حضرات کا موقف بعض واقعات کی روشنی میں پیش کر دیا جائے؛ تا کہ ایک جانب ہمیں اس سے رہبری ملے، تو دوسری جانب

ہماری ہمتوں میں بلند حوصلگی اور جذبوں میں بیداری پیدا ہو، نیز بعض لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر اچھے برے کی تائید وتصدیق کوئی نیک عمل اور بزرگی کا معیار ہے؛ کیونکہ ہم نے بعض اچھے خاصے دینداروں کو بھی؛ بلکہ بعض علماء کو بھی دیکھا ہے، جو بدعات وخرافات اور غلط و باطل فرقوں کی تردید کو بزرگی کے خلاف سمجھنے کی عجیب وحیرت ناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں؛ لہذا یہاں سے ان کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی۔اسی طرح ان حضرات کے ذہن کی بھی اصلاح ہو جائے، جو یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ بدعات وخرافات کی تردید اور اہل بدعت وباطل سے اختلاف بھی اس مذموم وحرام اختلاف میں داخل ہے، جس سے قرآن وحدیث میں منع کیا گیا ہے؛ حالانکہ وہ اس میں داخل نہیں؛ بلکہ یہ اختلاف لازم وضروری ہے۔

حضرات صحابہ کے دور کے بارے میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ وہاں ایمان وعقیدے میں کمزوریوں کا کوئی سلسلہ چلا ہو؛ البتہ اکادکا کوئی حال وواقعہ بعض افراد کی جانب سے اس قسم کا پیش آیا، تو ان حضرات نے اس کا بھی سخت نوٹس لیا ہے۔ جس کی چند مثالیں ہمیں تاریخ وسیرت کے ذخیرے میں ملتی ہیں۔

متشابہات میں کلام کرنے والوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص صبیغ بن عسل نامی مدینہ آیا اور قرآن کے متشابہات کے بارے میں سوال جواب کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا، تو اس کو بلوایا اور پہلے سے کھجور کے چند ٹہنیاں منگوا رکھی تھیں، جب وہ آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا سر کھول، پھر اس کے سر پر ان ٹہنیوں سے مارنا شروع کیا؛ یہاں تک کہ اس کا

سر زخمی ہو کر خون بہنے لگا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! کافی ہے، جو کچھ دماغ میں میرے سمایا تھا سب چلا گیا۔

(اعتقاد اہل السنۃ للامام لالکائی: ۶۳۶/۴، الشریعۃ للآجری: ۱/۱۷)

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی پٹائی کی تو، اس کو اپنے وطن بصرہ جانے کی اجازت دی اور حضرت ابو موسی اشعری کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے ساتھ مجالست ومیل جول نہ رکھے۔ پس اس کا حال وہاں ایسا تھا، جیسے خارش والے اونٹ کا ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی حلقے میں جاتا، تو لوگ خارشی اونٹ کی طرح اس سے ڈر کر وہاں سے اٹھ جاتے اور اگر اس سے ناواقف لوگ ہوتے، تو دوسرے لوگ ان سے کہتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ملنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ متفرق ہو جاتے۔ جب اس کا حال درست ہو گیا اور اس نے توبہ کی، تو حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس کا حال درست ہو گیا ہے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے میل جول کرنے کی اجازت دی۔

(ذم التأویل لابن قدامہ المقدسی: ۱۲۔ اعتقاد اہل السنۃ: ۶۳۶/۴۔ الاعتصام: ۵۵/۲۔ عقیدۃ السلف للصابونی: ۱۹۔)

اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ خیر القرون میں کسی معمولی قسم کی بدعت کے ساتھ بھی کیا سلوک کیا جارہا ہے اور بدعتی ذہنیت والے سے کیا برتاؤ کیا جارہا ہے اور یہ کہ عامۃ المسلمین کو ان سے دور ونفور رکھنے کی کیسی کوشش کی جارہی ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کے خوف سے درخت کٹوا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوف فتنے سے حدیبیہ مقام کے ایک درخت کو کٹوا دیا تھا، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے تحت حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ تبرک حاصل کرنے کے لئے ایک درخت کے پاس اس خیال سے جاتے اور نماز پڑھتے ہیں کہ اسی کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی، پس آپ رضی اللہ عنہ نے فتنے کے خوف سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

(البدع لابن الوضاح:۴۲۔الاعتصام:۱/۳۴۶۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منکرِ تقدیر کو تہدید

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ملک شام میں مقام جابیہ میں خطبہ دیا اور اس میں یہ کہا کہ: ''مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ'' (اللہ جس کو گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔) اور ترجمان اس کا ترجمہ کررہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ پر سننے والوں میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ترجمان نے بتایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ ''تو نے غلط کہا: اے اللہ کے دشمن! بلکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا اور وہ تجھے گمراہ بھی کرے گا اور مارے گا اور اگر چاہے، تو تجھے جہنم رسید کرے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر ہمارا معاہدہ نہ ہوتا، تو میں تیری گردن اڑا دیتا''۔

(القضاء والقدر للبیہقی:۱/۳۲۷۔اعتقاد اہل السنۃ للالکائی:۱/۶۶۰۔الابانۃ الکبری لابن بطۃ:۴/۱۲۹۔القدر للفریابی:۴۳۔القدر للقرشی:۱۱۳۔)

مدعیانِ حلول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلانے کی سزا دی

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ کے ایک گروہ

نے جوسبائی کہلاتے تھے،غلو کیا؛ یہاں تک کہ ان میں خدا کے حلول کر جانے کا عقیدہ بنالیا،تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلا دیا تھا۔جس کا ذکر متعدد کتب تاریخ میں موجود ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں امام ابو طاہر المخلص کی مجالس کے حوالے سے لکھا ہے کہ شریک العامری نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ ہیں، جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ آپ ان کے رب وخدا ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ تمہارا بُرا ہو، تم کیا کہتے ہو؟انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب وخالق ورازق ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا بُرا ہو، میں تو تم جیسا ایک بندہ ہوں،تم جیسا کھاتے ہو، میں بھی کھاتا ہوں اور تم جیسا پیتے ہو میں بھی پیتا ہوں۔اگر میں اللہ کی فرمانبرداری کروں،تو وہ چاہے تو مجھے ثواب دے گا اور اگر نافرمانی کروں،تو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں گرفتار کردے۔پس تم اللہ سے ڈرو اور واپس ہو جاؤ؛ مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا۔اور جب دوسرا دن ہوا،تو صبح صبح پھر آگئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے کہا کہ وہ لوگ وہی بات کہتے ہوئے آئے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو اپنے پاس بلایا اور وہی باتیں کیں، جو کل فرمائی تھیں۔پھر تیسرا دن ہوا،تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تم نے وہی بات کہی،تو میں تم کو بُری طرح قتل کردوں گا؛مگر اس کے باوجود انھوں نے وہی بات کہی،تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قنبر سے فرمایا کہ کچھ مزدوروں کو پھاوڑوں کے بلاؤ۔پس ان کو مسجد اور قصر شاہی کے درمیان خندقیں کھودنے کا حکم دیا، پھر لکڑیاں منگوائیں اور خندقوں میں ان کو آگ لگا کرڈلوایا اور ان لوگوں سے کہا کہ میں تم کو اس میں ڈالدوں گا یا نہیں تو تم لوگ باز

آ جاؤ۔انہوں نے باز آنے سے انکار کیا، پس آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو ان خندقوں میں پھینک دیا؛ یہاں تک کہ وہ جل گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

(فتح الباری:۱۲/۲۷۰۔)

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بدترین بدعتی فرقے کے تعلق سے، جو خدا کے حضرت علی میں حلول کا عقیدہ رکھتا تھا، انتہائی سخت اقدام کا ذکر آیا ہے۔

خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فرقۂ خوارج کا وجود ہوا، جس کے نظریات متعدد عقائد میں اہل سنت سے مختلف تھے اور وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ بے شمار صحابہ کی تکفیر کرتے تھے اور جہالت کے باوجود خود قرآن وحدیث کی من مانی تشریح وتوضیح کرتے تھے اور اپنی اس غلط تشریح کو حق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کو غلط قرار دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اولاً حضرت ابن عباس کو ان سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا، پھر خود ان کے اہم لوگوں کو بلا کر ان سے بحث فرمائی؛ مگر وہ لوگ اپنی ہی بات پر اٹل رہے اور تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہوئے ان کے مال ومویشی لوٹنے لگے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور ان کے ساتھ سخت روش اختیار فرمائی۔ جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے۔

(دیکھو: الکامل لابن الاثیر: ۲/۸۴-۸۶۔ تاریخ الطبری: ۳/۱۲۰-۱۲۱۔ تاریخ ابن خلدون: ۲/۱۸۰-۱۸۱۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۷/۳۱۹-۳۲۰۔ البدء والتاریخ لابن

طاہر المقدسی: ۱/۳۲۴۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قدریہ فرقے سے اعلانِ برأت

حضرت یحی بن یعمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ ایک قوم عراق میں پیدا ہوگئی ہے، جو قرآن پڑھتی اور سمجھتی ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ

"إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَقُولُوا : إِنَّ ابْنَ عُمَرَ بَرِئٌ مِنْهُمْ ، وَ أَنَّهُمْ مِنِّي بُرَآءُ" (اگر تم ان سے ملو، تو کہہ دینا کہ ابن عمر ان سے بری ہے اور وہ ابن عمر سے بری ہیں۔)

(الشریعۃ للآجری: ۱/۴۸۱۔ اعتقاد اہل السنۃ للالکائی: ۴/۵۸۶۔ الإیمان لابن ابی شیبۃ: ۱۱۸۔ الاعتقاد للبیہقی: ۱۳۳۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جبریہ فرقے سے اختلاف

جب اموی دور کی ابتداء میں جبریہ فرقے کا وجود ہوا، تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شام کے جبریہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خط تحریر کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"تم لوگ دوسروں کو تقوی کا حکم دیتے ہو؛ حالانکہ صاحبِ تقوی تمہاری وجہ سے گمراہ ہوگئے۔ لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہو اور گنہگار تمہاری وجہ سے غالب ہوگئے، اے جنگجو لوگوں کے بیٹو! اے ظالموں کے مددگارو! اور اے بدکاروں کی مساجد کے ترجمانو! اے شیطان صفت لوگوں کے آباد کارو! تم سب اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے اپنے

جرم اس پر لادتے اور علانیہ اس کی جانب منسوب کرتے ہو۔ تلواریں تمہارے گلے کا طوق اور خدا پر افترا پردازی تمہاری گواہی، کیا اسی پر تم نے ایک دوسرے سے دوستی کی ہے اور اسی پر کیا تم نے ایک دوسرے کی مدد کی ہے؟ اس میں تمہارا خوب و بڑا حصہ ہے، تم نے ان لوگوں کی جانب میلان کیا ہے، جو نہ ہی اللہ کے مال کو چھوڑتے ہیں اور نہ کسی شعار اسلام کو توڑے بغیر رہتے ہیں اور نہ کسی یتیم کا مال ہڑپ کیے بغیر یا اس میں خیانت کا ارتکاب کیے بغیر رہتے ہیں۔ اللہ کا سب سے بڑا حق تم نے سب سے خبیث ترین مخلوق کے لئے مانا اور اہل حق کی مدد سے جی چرانے لگے؛ یہاں تک کہ وہ کم وحقیر ہو گئے۔ اور اہلِ باطل کی تم نے مدد کی، جس سے وہ باعزت ہو گئے اور بڑھ گئے، پس تم لوگ اللہ کی جانب توجہ کرو اور توبہ کرو۔ اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، جو اس کی جانب آ کر توبہ کرتا اور اس کی قبول کرتا ہے، جو اس کی جانب توجہ کرتا ہے۔

(المنیۃ والامل :۲۰۔ ابو حنیفۃ؛ حیاتہ وعصرہ وآراء ہ وفقہہ لابی زہرہ: ۱۵۷-۱۵۸۔)

بدعتی لوگوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رویہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاریخ کے اوراق نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ بدعت و بدعتیوں کے خلاف کسی نرم گوشہ رکھنے کے روادار نہیں تھے؛ بلکہ ان کا موقف اس سلسلے میں نہایت سخت تھا۔

دارمی نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے مسجد میں ایک بات ایسی دیکھی، جو مجھے بُری ومنکر معلوم ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی؟ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں ،ان کے بیچ ایک شخص ہے اوران کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، وہ شخص ان سے کہتا ہے کہ سو دفعہ اللہ اکبر کہو، تو وہ لوگ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہو، تو وہ لا الہ الا اللہ سو دفعہ پڑھتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ لوگ سو دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا کہا؟ ابو موسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے حکم کے انتظار میں کچھ نہیں کہا، پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے فرمایا کہ ما هذا الذي أراكم تصنعون؟ کہ یہ کیا ہے، جو میں تمہیں کرتے دیکھ رہا ہوں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ کا ذکر و تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہ ان کنکریوں پر شمار کرو، میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہارا بھلا ہو، کس قدر جلد تم ہلاک ہوئے؛ جبکہ ابھی تم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کثرت سے موجود ہیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن ابھی تک نہیں ٹوٹے۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!

یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بھی زیادہ ہدایت والے راستے پر ہو یا یہ کہ تم نے گمراہی کا دروازہ کھول دیا ہے۔

(سنن دارمی: رقم حدیث: ۲۰۴۔ المسند الجامع: ۹۴۳۳۔ تاریخ واسط لبحشل: ۱۹۸-۱۹۹۔)

ابن وضاح نے ''البدع والنهي عنها'' میں عبدالواحد بن صبرہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ عمرو بن عتبہ اور ان کے ساتھیوں نے کوفے میں ایک مسجد بنائی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور وہ منہدم کردی گئی، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ کوفے کی مسجد کے ایک کونے میں جمع ہو کر مقررہ تعداد میں تسبیح وتہلیل کرتے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ٹوپی پہنی، پھر تشریف لے گئے اور ان میں جا کر بیٹھ گئے اور جب یہ معلوم کر لیا کہ وہ لوگ کیا پڑھتے ہیں، تو اپنی ٹوپی اتاری اور فرمایا کہ کیا تم صحابہ سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو یا یہ کہ تم نے بدعت جاری کر لی ہے؟ پھر اخیر میں فرمایا کہ اگر تم نے قومِ صحابہ کی اتباع کی، تو بہت آگے بڑھ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں مڑتے رہے، تو بہت دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

(البدع لابن وضاح: رقم: ۹)

اسی طرح ایک مرتبہ رات میں لوگوں کے سو جانے کے بعد اعلان ہوا کہ جو شخص بھی مسجدِ اعظم میں نماز پڑھے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ سن کر لوگ،

کیا مرد، کیا عورتیں سب نکل پڑے، یہاں تک کہ مسجد پر ہوگئی اور لوگ نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن مسعود کے پاس لوگ آئے اور کہا گیا کہ لوگوں کی خبر لیجئے؟ پوچھا کہ کیا ہوا؟ بتایا گیا کہ یہ صورت حال ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے اور اپنے کپڑے سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا برا ہو، یہاں سے نکلو اور خود کو تکلیف میں نہ ڈالو، یہ تو شیطان کی پکار ہے۔ اور دیکھو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوئی اور نہ ہوگی۔

(البدع لابن وضاح: رقم: ۸)

ان روایات سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کا سخت رویہ وشدید طرز عمل بدعت وبدعتیوں کے بارے میں واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مروان بن الحکم کو تنبیہ

اور حضرت ابوایوب انصاری کے بارے میں محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کی نماز کے بارے میں مخالفت کی، مروان نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ مخالفت کیوں سوجھتی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازیں پڑھتا دیکھا ہے، پس اگر تم نے اس کی موافقت کی، تو میں بھی تمہاری موافقت کروں گا اور اگر تم نے اس کی مخالفت کی، تو میں بھی تمہاری مخالفت کروں گا۔

(طبرانی فی الکبیر: ۳۸۹۵)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا جبریہ فرقے کے نام خط

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے بصرے کے جبریہ کو ایک خط لکھا تھا،

جس میں آپ نے فرمایا کہ

”جو شخص اللہ پر، اس کی قضا وتقدیر پر ایمان نہ لائے، وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کو اللہ پر تھوپے، وہ بھی کافر ہے، اللہ کی نہ تو جبراً اطاعت کی جاتی ہے اور نہ کسی سے مغلوب ہوکر اس کی نافرمانی کی جاتی ہے؛ اس لئے کہ مالک حقیقی نے مالک بنادیا ہے اور جو قدرت اس (انسان) میں پائی جاتی ہے، وہ اسی کو ودیعت کرتا ہے۔ اگر وہ نیک اعمال انجام دیں، تو ان کے افعال میں مداخلت نہیں کرتا اور اگر معصیت کا ارتکاب کریں، تو وہ ان کے افعال میں مخل ہوسکتا ہے؛ اگر اس کی مشیت کا تقاضا ہو۔ جب وہ کچھ نہیں کرتے، تو یہ معنی نہیں کہ انھیں خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اور اگر خدا مخلوقات کو اطاعت پر مجبور کرتا، تو ثواب کو ساقط کردیا ہوتا اور اگر جبراً گناہوں پر مجبور کرتا، تو سزا کو موقوف کردیتا اور اگر بیکار چھوڑ دیتا، تو اس کی عدم قدرت کی دلیل ہوتی ؛ بلکہ مخلوقات کے بارے میں اس کی خاص حیثیت ہے، جسے اس نے ان سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نیک اعمال کریں، تو یہ خدا کا احسان ہے؛ اگر وہ معصیت کا شیوہ اختیار کریں، تو اس کی حجت ان پر تمام ہوجاتی ہے۔

(المنیۃ والامل :۲۲۔ ابوحنیفۃ؛ حیاتہ وعصرہ وآراءہ، وفقہہ لابی زہرہ:۱۵۷-۱۵۸۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ترک سنت پر تنبیہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ عید کے دن نماز پر خطبے کو مقدم کرنے والا سب سے پہلا شخص مروان بن الحکم ہے، جب اس نے عید میں

پہلے خطبہ پڑھا، تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا کہ " خالفتَ السنة" کہ تو نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ مروان نے کہا کہ اس وقت جو بات تھی وہ متروک ہوگئی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے کہا کہ اس شخص پر جو ذمہ داری تھی، وہ اس نے پوری کردی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے، وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے؛ اگر اس قدر طاقت نہ ہو، تو زبان سے روکے؛ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو دل سے بُرا جانے، یہ سب سے کمتر درجہ کا ایمان ہے۔

(مسلم: ۱۸۶۔ ابوداود: ۱۱۴۲۔ ترمذی: ۲۱۷۲۔ ابن ماجہ: ۱۲۷۵۔ احمد: ۱۸۰۸۸۔ البدایہ والنہایہ: ۲۸۳/۸۔)

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی حجاج بن یوسف کو تنبیہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرات تابعین و بعد کے اسلاف کی زندگیوں سے چند مثالیں لیجئے: حجاج بن یوسف جو کہ بڑا ظالم حکمراں تھا، وہ ایک دفعہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے بازو نماز کے لئے کھڑا ہو گیا اور یہ اس کے امارت کو سنبھالنے سے پہلے کا واقعہ ہے، وہ نماز میں امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا اور امام سے پہلے سر اٹھالیتا، جب نماز ہوگئی، تو حضرت سعید نے اس کی چادر کا ایک کنارہ پکڑ لیا اور اپنا وظیفہ پڑھتے رہے اور وہ اپنی چادر چھڑانے کی کوشش کرتا رہا، جب وہ اپنا وظیفہ پورا کر چکے، تو اس سے کہا کہ اے نماز میں چوری کرنے والے! اے نماز میں خیانت کرنے والے! اس طرح کی نماز پڑھتا ہے؟ میرا تو یہ خیال ہوگیا تھا کہ جوتے سے تیرے منہ پر ماروں۔ حجاج نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہ حج کے لئے چلا

گیا اور وہاں سے شام کو چلا گیا اور حجاز کا گورنر ہو کر آیا۔ اور جب ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی، تو وہ مدینہ کا بھی گورنر ہوگیا، اور مدینہ میں مسجد نبوی کو آیا۔ وہاں حضرت سعید بن المسیب کی مجلس لگی ہوئی تھی، تو حجاج ان کی جانب آیا، تو لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت سعید کو یہ تکلیف نہ پہنچائے، پس وہ آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ کیا تم ہی نے یہ کلمات کہے تھے؟ تو حضرت سعید نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: ہاں! تو حجاج نے کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ بہترین معلم و مربی ہو۔ میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں تو آپ کا یہ قول یاد کرتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۹/۱۳۹۔ مختصر تاریخ دمشق: ۲/۳۳۴۔)

ریشمی چادر پر امیر افرم کو ایک عالم کی تنبیہ

علامہ زین الدین عبد اللہ بن مروان الفاروقی۔ جو امام نووی کے بعد دار الحدیث الاشرفیہ کے متولی تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا خاص ذوق رکھتے تھے اور اس سلسلے میں کسی مداہنت کے روادار نہیں تھے، ان کے بارے میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

> ایک بار دمشق کے امیر افرم کو دیکھا کہ وہ ریشمی قباء اور چاندی کی انگوٹھی پہنا ہوا ہے اور سونے کی دوات اس کے پاس ہے۔ آپ نے امیر سے کہا کہ اگر اللہ تعالی نے مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا، تو میرے پاس کونسی حجت ہے؟ اگر اللہ نے فرمایا کہ تم نے کیوں اس کو یہ نہ کہا کہ یہ بالاجماع حرام ہے؟ یہ کہہ کر خود رونے لگے، حاضرین اور

افرم کو بھی رونا آ گیا۔ اور اس نے جلدی سے ان چیزوں کو نکال دیا۔
(الدرر الکامنۃ لابن حجر: ۱/۲۹۰۔)

امام احمد رحمہ اللہ اور مسئلہ خلقِ قرآن

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام کون نہیں جانتا؟ آپ ایک جانب علم حدیث وفقہ میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے، تو دوسری طرف زہد و ورع میں بھی بے مثال تھے، نیز حق گوئی و بے باکی، مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں بھی آپ ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے؛ اسی لئے آپ کو امام اہل سنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں، اس دور میں امت مسلمہ میں متعدد قسم کے فتنوں نے جنم لیا ہوا تھا: ایک جانب بادشاہ وقت کی طرف سے یونانی و ہندی و رومی فلسفے کی کتابوں کے تراجم کرائے جا رہے تھے، جن سے ملت اسلامیہ میں غیر اسلامی فلسفے کا رواج ہونے لگا، دوسری طرف عوام الناس میں بدعات و غیر اسلامی عقائد رواج پانے لگے، جس کی وجہ دراصل رافضہ و شیعہ و معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ کا تسلط تھا، بالخصوص فرقۂ معتزلہ کو سرکاری سرپرستی مل جانے کی وجہ سے ان کا اثر ورسوخ کافی حد تک بڑھ گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ان لوگوں نے خلق قرآن کا عقیدہ گھڑ کر لوگوں کو ایک نئے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔

سب سے پہلے مسئلہ خلق قرآن کا نظریہ بشر بن غیاث المریسی نے امیر المؤمنین ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت میں گھڑا تھا اور ہارون الرشید نے اس کے قتل کا عزم کرلیا تھا؛ لیکن بشر بیس سال تک روپوش رہا۔ ہارون کے بعد امین کے زمانے میں بھی معاملہ اہلِ سنت کے مطابق جاری رہا اور جب مامون کی خلافت کا دور آیا، تو

معتزلہ نے اس سے قربت پاکراس کا ذہن خراب کیا اوراس کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور مامون نے لوگوں کواس عقیدہ کے ماننے پرمجبور کرنا شروع کر دیا۔

مامون الرشید نے امتحان کے طور پر اپنے بغداد کے کوتوال اسحاق بن ابراہیم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں کے اہل علم کو بلا کر اس سلسلے میں ان کو مجبور کرو۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اسحاق نے بلایا۔ جب ہم گئے، تو اس نے امیر المومنین کا خط پڑھ کر سنایا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور جن جن لوگوں نے اس سے انکار کیا، ان کو محبوس کر دیا گیا۔ جب یہ صورت لوگوں نے دیکھی، تو سوائے چار کے سب نے اس کی بات کو قبول کر لیا: ایک امام احمد، دوسرے محمد بن نوح، تیسرے عبیداللہ بن عمر القواریری اور چوتھے حسن بن حماد رحمہم اللہ پھر ان میں سے بھی آخری دو حضرات نے اس کی بات قبول کر لی اور صرف امام احمد و محمد بن نوح رحمہ اللہ قید میں رہ گئے۔

پھر ان حضرات کو بادشاہ نے اپنے پاس ہتھکڑیاں ڈلوا کر بلایا، ابو معمر القطیعی کہتے ہیں کہ " **لما حضرنا دار السلطان أيام المحنة و كان ابو عبد الله احمد بن حنبل قد أحضر و كان رجلا لينا ، فلما رأى الناس يجيبون انتفخت أوداجه و احمرت عيناه**" (امام احمد بہت نرم طبیعت کے آدمی تھے؛ لیکن جب ہم شاہی محل پہنچے اور وہاں امام احمد نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک غلط نظریہ وعقیدے کو قبول کرتے جا رہے ہیں، تو غصہ کے مارے ان کی رگیں پھول گئیں اور ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔)

حضرت ابوجعفر الانباری کہتے یں کہ جب امام احمد کو مامون کے پاس لے جایا جا رہا تھا اور مجھے اس کی خبر ہوئی، تو میں نے ان سے ملنے دریائے فرات کو عبور کیا۔

آپ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے سلام کیا، تو آپ نے کہا کہ ابوجعفر! تم نے بڑی تکلیف اٹھائی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ کوئی تکلیف نہیں، پھر میں نے کہا کہ آج آپ لوگوں کے سردار ہیں، لوگ آپ کی اقتداء کرتے ہیں، قسم بخدا! اگر آپ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں حکومت کی بات مان لی، تو اس میں بھی بہت سے لوگ آپ کی اقتداء کریں گے اور اگر آپ نے ان کی بات قبول نہیں کی، تو آپ کی اقتداء میں بہت سے لوگ اس سے بچے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ایک بات سن لیں کہ اگر بادشاہ نے آپ کو قتل نہیں کیا۔ تب بھی ایک نہ ایک دن آپ کو مرنا ہی ہے؛ لہٰذا آپ اس کی بات قبول نہ کریں۔ یہ سن کر امام احمد رونے لگے اور کہا کہ ماشاءاللہ، ماشاءاللہ پھر فرمایا کہ ایک بار پھر تمہاری بات کو دہرادو۔ میں نے دوبارہ ان کے سامنے میری بات دہرادی۔

اسی دوران مامون کا انتقال ہوگیا اور ان حضرات کو قید خانے کے حوالے کر دیا گیا اور اذیت دی جاتی رہی۔ اور پھر معتصم کا دور آیا اور اس میں بھی آپ کی آزمائش ہوئی، معتزلی علماء سے مناظرے ہوئے، آپ سے معتصم کی جانب سے کہا گیا کہ اگر ہماری بات قبول نہیں کی، تو مسلسل پٹائی کی جائے گی اور ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا، جہاں سورج کی شعاعیں بھی نہ پہنچ سکیں گی۔ اور اگر قبول کرلیا، تو بادشاہ خود قید کی بیڑیاں اپنے ہاتھ سے کھول کر اعزاز واکرام سے نوازے گا۔

لیکن کسی بھی صورت میں آپ کے پائے استقلال میں تزلزل نہیں آیا، تو معتصم نے کوڑے لگوائے، اس نے کوڑے لگانے کا حکم دیا اور کئی جلادوں کو بلایا اور ہر ایک جلاد سے دو دو کوڑے لگواتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ خوب سختی کرو، خوب سختی کرو، امام احمد کہتے ہیں کہ جب انیس کوڑے مجھے لگادئے گئے تو معتصم کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے

احمد! تم کیوں خود کو قتل کراتے ہو؟ مجھے تم پر بڑا رحم آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر عجیف مجھے تلوار کی نوک چبھونے لگا اور کہنے لگا کہ کیا تو سب لوگوں پر غالب آنا چاہتا ہے؟ اور بعض کہنے لگے کہ تیرا برا ہو، خلیفہ تیرے سر کے پاس کھڑے ہیں۔ کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس کا خون تو میرے قبضے میں ہے، میں اس کو قتل کر دیتا ہوں۔ بعض نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ تو روزے سے ہیں اور سورج میں کھڑے ہیں۔ معتصم نے کہا کہ اے احمد! کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ کتاب اللہ وسنت رسول سے دلیل لاؤ، میں مان لوں گا۔ پھر جلاد سے کہا کہ آگے بڑھ کر خوب مار۔ اور یہی سلسلہ مار وآزمائش کا برابر جاری تھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ پھر تو میرے ہوش ہی اڑ گئے، جب ہوش آیا، تو دیکھا کہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ پھر ستو لا کر کہا گیا کہ افطار کرو۔ میں نے کہا کہ میں افطار نہیں کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کو پہلا کوڑا لگایا گیا، تو فرمایا: **بسم الله.** جب دوسرا لگایا تو کہا: **لا حول ولا قوة الا بالله.** اور جب تیسرا لگایا، تو کہا: **القرآن كلام الله غير مخلوق.** اور چوتھا لگایا، تو فرمایا کہ **قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا**۔ انیس کوڑے لگائے گئے۔ آپ کے سروال کھل کر گرنے لگی، آپ نے سر آسمان کی جانب اٹھایا اور اپنے لبوں کو حرکت دی، پس فوراً سروال رک گئی۔ حضرت میمون بن اصبغ۔ جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے سات روز بعد آپ کے پاس گیا اور پوچھا کہ آپ نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر زبان سے کیا کہا تھا؟ فرمایا کہ میں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! میں تیرے اس نام سے دعا کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کو بھر دیا ہے کہ اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں تو میرا ستر نہ کھل جائے۔

الغرض یہ قید وحبس اور ابتلا کا سلسلہ اٹھائیس ماہ تک جاری رہا، پھر آپ کو چھوڑ دیا گیا۔

مروذی کہتے ہیں کہ جب امام احمد رحمہ اللہ پر ابتلاء کا دور چل رہا تھا میں ان کے پاس گیا اور عرض کیا کہ استاذ! اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ''لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ''، فرمایا کہ مروذی! ذرا باہر جا کر دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں باہر گیا، تو دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے، جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔ ان کے ہاتھوں میں کاپیاں اور قلم ودوات ہیں۔ مروذی نے ان سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہتے ہو؟ لوگ کہنے لگے کہ ہم انتظار کر رہے ہیں کہ احمد کیا کہتے ہیں؛ تاکہ ہم اس کو لکھ لیں۔ مروذی نے ان سے کہا کہ یہیں ٹھیرے رہو، پھر وہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آئے اور آپ کو یہ صورت حال بتائی، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اے مروذی! کیا میں ان سب کو گمراہ کردوں؟ میں قتل ہوجاؤں گا، لیکن ان کو گمراہ ہونے نہیں دوں گا۔

(امام احمد کے ابتلاء کی تاریخ کے لئے دیکھئے: الکامل لابن الاثیر: ۱۷۹/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۳۳۰/۱۰-۳۳۷۔ مناقب الامام احمد لابن الجوزی: ۴۱۶-۴۸۰۔)

علامہ عزالدین رحمہ اللہ اور صدائے حق

شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اپنے وقت کی ایک باوقار عظیم علمی وروحانی شخصیت ہیں۔ جنھوں نے ایک جانب درس وتدریس کا منصب سنبھالا تھا، تو دوسری جانب امامت وخطابت کی عظیم ونازک ذمہ داری کو بھی نبھایا تھا۔ جب آپ جامع اموی دمشق میں منصب خطابت وامامت کے منصب پر فائز تھے، آپ کے ذریعہ وہاں رائج بہت ساری بدعات وخرافات کا قلع قمع ہوا۔ صلاۃ الرغائب ونصف

شعبان کی بدعات کا ازالہ ہوا، ان کے ازالے کے لئے آپ نے ان امور بدعیہ کی کھل کر مخالفت کی۔

(دیکھو :طبقات الشافعیہ :۱۱۰/۲۔ مرآۃ الجنان للیافعی:۱۹۸/۲۔وشذرات الذھب : ۳۰۱/۵۔)

امام عز الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ کے حالات میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں، جو ان کی حق گوئی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر والے وصف کی نشاندہی کرتے ہیں۔

آپ کی حق گوئی و بے باکی اور اس سلسلے میں کسی مداہنت کو روا نہ رکھنے کے بارے میں ایک واقعہ وہ ہے، جو متعدد اہلِ تاریخ نے رقم کیا ہے اور جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

> ”الملک الاشرف کے جانشین صالح اسماعیل (ابوالخبش) نے الملک الصالح نجم الدین ایوب بادشاہ مصر کے مقابلے میں (جس کے شام پر حملے کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی اور حق الخدمت کے طور پر شہر صیدا وثقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا، اس دوستانہ تعلق کی بنا پر فرنگی اتنے بے تکلف ہو گئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خرید تے۔ شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر ان سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں۔ تاجرانِ اسلحہ نے شیخ سے فتوی پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے؛ اسلئے کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ تمہارے مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے، شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے

حمیتی اور اسلام کی اس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا۔انہوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعاء ترک کردی ،اس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فارغ ہوکر بڑے جوش کے ساتھ دعاء کرتے تھے کہ الٰہی! اسلام و حامیان اسلام کی مدد ونصرت فرمااور ملحدین و دشمنان دین کو ذلت ونکبت نصیب فرمااور تمام مسلمان بڑے رقت واثر کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ شیخؒ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا، شیخؒ ایک عرصہ تک محبوس رہے، کچھ عرصے کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کئے گئے،اسی اثناء میں سلطان صالح اسماعیل الملک المنصور والی حمص اور سلاطین فرنگ اپنے افواج وعساکر کے ساتھ مصر کے ارادے بیت المقدس آئے۔ صالح اسماعیل کے دل میں شیخ عزالدین کی ناراضگی برابر کھٹکتی رہتی تھی اور اس کو اس کی فکر تھی ،اس نے اپنے عمائد وخواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا اور کہا کہ یہ رومال شیخؒ کی خدمت میں پیش کرنا اور انتہائی خوشامد واستمالت کے ساتھ ان سے کہنا کہ سابقہ خدمات ومناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آسکتے ہیں؛ اگر وہ منظور فرمالیں،تو میرے پاس لے آنا؛ اگر منظور نہ کریں،تو میرے خیمے کے پہلو میں دوسرے خیمے میں ان کو محبوس کردینا۔امیر نے شیخؒ سے بڑی خوشامدانہ باتیں کیں اور ان کی عزت وتکریم اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا کے ذرا بادشاہ سے نیاز مندانہ مل لیں۔اور اس کی دست بوسی کرلیں،تو یہ قصہ رفع دفع ہوجائے گا اور آپ اضافہ وترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آجائیں

گے۔ شیخ نے اس کا جو جواب دیا، وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ

واللّٰہ یا مسکین! ما أرضاہ أن یقبل یدی فضلا عن أقبل یدہ، یا قوم! انتم فی واد و أنا فی واد ، والحمد للّٰہ الذی عافانی مما ابتلاکم بہ .''

(طبقات الشافعیہ: ۱۰۱/۵۔)

(ارے ناداں! میں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے؛ چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں۔ لوگو! تم کسی اور عالم میں ہو اور میں کسی اور عالم میں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس سے آزاد ہوں جس میں تم گرفتار ہو۔)

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کرلوں۔ شیخ نے کہا: شوق سے جو کچھ تم سے ہو سکے، اس سے دریغ نہ کرو۔ امیر نے ان کو بادشاہ کے خیمہ کے پہلو دوسرے خیمہ میں رکھا۔ شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہ سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں!، کہا جانتے ہو؟ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے۔ میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ سپرد کردینے کے خلاف تھا اور اس پر معترض تھا۔ میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصبوں سے معزول کیا اور اس کو دمشق سے شہر بدر کردیا۔ اب میں نے تمہاری خاطر پھر اس کو قید کردیا ہے۔ عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہوتا، تو ہم اس کے پاؤں دھو کر پیتے۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں صالح اسماعیل کو شکست ہوئی، فرنگی فوج قتل و

غارت ہوئیں اور شیخ صحیح وسلامت مصر روانہ ہو گئے ۔ راستے میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا، تو والی کرک نے قیام کی درخواست کی ۔ فرمایا کہ تمہارا یہ مختصر شہر میرے علم کا متحمل نہیں ہوسکتا ۔

(تاریخ دعوت وعزیمت :۱/۲۹۱-۲۹۳)

امام علی المتقی وعلامہ طاہر پٹنی کی مہدویت کے خلاف جدوجہد

محدث امام علی المتقی صاحب ''کنز العمال'' کے دور میں گجرات خاص طور پر مہدویت کا گڑھ بنا ہوا تھا، جس کے ماننے والے مہدوی کہلاتے اور یہ فرقہ بہت سے عقائد میں اہل سنت سے الگ اپنی ایک پہچان وشناخت رکھتا ہے ۔ اوراسی کے ساتھ علماء حق کے خلاف بغض وعداوت کی وجہ سے ان کے قتل کے درپے رہتا تھا ۔

امام علی المتقی نے اولا اس فرقے کے بارے میں تحقیق کی اور علماء ہند کے علاوہ علماء حرمین شریفین سے بھی معاملے کی تحقیق کی اور جب یہ واضح ہوگیا کہ یہ فرقہ گمراہ ہے، تو اس کے خلاف آپ نے آواز اٹھائی اور دو عالمانہ وفاضلانہ رسالے اس کے رد میں تحریر فرمائے؛ ایک " البرهان فی علامات مهدی آخر الزمان. "اور دوسرا: '' الرد علی من حکم و قضی أن المهدی جاء و مضی '' ۔ نیز آپ نے علماء مکۃ المکرمہ سے اس فرقے کے بارے میں فتاوی حاصل کئے اور اپنی کتاب ''البرھان'' میں شامل فرمایا ۔

اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات کے علاقے سے مہدیوں کو خروج کرکے ہندوستان کے دوسرے علاقوں بالخصوص دکن وحیدرآباد میں بودوباش اختیار کرنا پڑا ۔

اور پھر آپ رحمہ اللہ کے بعد آپ کے شاگرد رشید علامہ طاہر

پٹنی رَحمہُ اللہُ صاحبِ ''مجمع بحار الانوار'' و''تذکرۃ الموضوعات'' نے ان کا مقابلہ کیا؛ کیونکہ جب والی گجرات سلطان محمود ثانی کا ایک سازش کے تحت انتقال ہو گیا، تو اس فرقے نے دوبارہ اپنی منتشر صفوں کو ترتیب دینا اور اہل اسلام کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی اور ان کے داعی مولانا عبد الرشید گجراتی نے ان کی سربراہی کی اور دکن وحیدر آباد کی جانب کوچ کر جانے والے بھی پھر یہاں جمع ہونے لگے ؛یہاں تک کہ اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے والیٔ پٹنہ شیر خان فولادی کو بھی ان لوگوں نے مہدوی بنا دیا اور اس طرح گجرات میں مہدوی حکومت قائم ہو گئی اور اہل اسلام کو قتل کرنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر علامہ طاہر پٹنی نے ایک جانب عامۃ المسلمین کو اس فرقے کے عقائد باطلہ سے روشناس کرانے کے لئے دروس کا سلسلہ جاری کیا، تو دوسری جانب حکام وقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا؛ بلکہ ایک رسالہ ''نصیحۃ الولاۃ'' لکھ کر ان کو بھی اس فرقے کے بارے میں باخبر کیا۔

اگر چہ کہ اس فرقے نے والیٔ گجرات کی سربراہی میں علامہ پٹنی کو قتل کرنے کی بڑی کوشش کی اور ایک بار حملہ بھی کیا گیا؛ لیکن اللہ نے آپ کو بچالیا؛ یہاں تک کہ اکبر بادشاہ نے علامہ طاہر پٹنی کی درخواست پر گجرات کی جانب رخ کیا اور پٹنہ کو فتح کرلیا، تو پھر اس فرقے کی اہل اسلام کے خلاف صف آرائی کا خاتمہ ہوا۔

اس طرح آپ کی جد وجہد سے اس فرقے کا اہل سنت سے اختلاف اور اس کے گمراہ وباطل عقائد عوام الناس کے سامنے واضح ہو گئے۔

(دیکھئے: تذکرہ شیخ طاہر پٹنی:۶۶-۸۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رَحمہُ اللہُ کے مجددانہ کارنامے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رَحمہُ اللہُ کے دور میں

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے دین میں تحریف وتبدیلی کی اور ایک نیا دین بنام ''دینِ الٰہی'' بنایا اور ہندوستان کے باشندے اللہ کے اصلی دین ومحمدی شریعت سے دور ہوگئے ؛ بلکہ بعض تو نفور بھی ہوگئے اور حالت یہاں تک بگڑ گئی کہ پانچ چھ سال کے اندر اندر دین اسلام نام کی بھی کوئی چیز یہاں باقی نہ رہی اور ایک بالکل نیا دین یہاں لاگو کردیا گیا۔

ملاعبدالقادر بدایونی۔ جو اکبری دربار کے مؤرخ ہیں۔انہوں نے اس صورت حال کا جائزہ پیش کیا ہے،اس کے بعد خلاصہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں کہ

''بعداز پنج وشش سال اثرے از اسلام نماند وقضیہ منعکس شد'' (یعنی پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور معاملہ بالکل الٹ گیا)

(منتخب التواریخ:۲۵۵۔)

اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی کو ایک مکتوب میں یہ لکھنا پڑا کہ

''اسلام کی کسمپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے دھڑک کوچہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے۔خدا کی شان۔مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایے میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ ہے؛ لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہوگیا ہے،کتنی حسرت وندامت اور کیسے افسوس کا مقام ہے؟ (مکتوبات۔دفتر اول:مکتوب نمبر:۶۵)

ایک اور موقعہ پر آپ لکھتے ہیں کہ

''پچھلے دنوں کفار بر ملا سینہ زوری سے احکام کفر اس دارالاسلام میں ادا کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی علانیہ ادائیگی سے عاجز تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے، تو قتل کئے جاتے تھے۔ ہائے افسوس اور ہائے ہماری بربادی! پروردگار عالم کے محبوب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی، مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا تھا۔

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر:۴۷۔)

ایک اور مکتوب میں اسی صورت حال کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

''ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر ان کی جگہ اپنے مندر بناتے تھے اور برملا مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر احکام اسلامی کے ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ رمضان مبارک میں وہ برملا روٹی وکھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کسمپرسی کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

(مکتوبات دفتر دوم، مکتوب نمبر:۹۲۔)

ان مکتوبات اور ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان سے اس وقت کی صورت حال جس قدر سنگین شکل اختیار کر گئی تھی ، اس کا اندزاہ لگانا کوئی مشکل نہیں ؛لیکن اس کے باوجود ایک اللہ کا بندہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شکل میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس صورت حال کو بدلنا اور اسلام کو دوبارہ یہاں نافذ کرنا ہے،تو اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور چند ہی سالوں میں پھر یہاں کا نقشہ بدل جاتا ہے۔

امام ربانی نے دیکھا کہ اس بگاڑ وفساد کی ساری ذمہ داری تین قسم کے لوگوں پر ہے : ایک سرکاری وحکومتی لوگوں پر۔دوسرے دنیا دار ومفاد پرست علماءسوء پر ۔اور تیسرے جاہل و بے دین وگمراہ صوفیاء پر۔پھر آپ رحمہ اللہ نے کسی کی بھی پرواہ کئے بغیر اللہ کا نام لے کر ان سبھی طبقات کی اصلاح کے لئے اقدام کیا اور اللہ نے کامیابی عطا کی۔

اس کی تاریخ دیکھنا ہو،تو ’’الفرقان‘‘ کا ’’مجدد الف ثانی نمبر دیکھئے، جو بعد میں ’’تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی‘‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

علماءدیوبند کا

فرقِ باطلہ وبدعات کے بارے میں موقف

اللہ تعالی نے اس صدی میں علومِ قرآن وحدیث کی نشر واشاعت ، دین و شریعت کی دعوت وتبلیغ اور مسلک اہل سنت والجماعت کی نمائندگی ووکالت کے لئے علماء دیوبند کو منتخب کیا ہے۔جو الحمد للہ دین وشریعت کے نفاذ اور احقاق حق وابطال باطل کے لئے ہمہ وقت وہمہ جہت مصروف رہتے ہیں۔احقاق حق کا وہ کونسا موقعہ

ہے، جس کو ان حضرات نے فراموش کیا ہے اور ابطال باطل کی وہ کونسی صورت ہے، جس سے انہوں نے صرف نظر کیا ہے؟

جب بھی ضرورت پڑی، تو اس کام کے لئے یہ حضرات میدان عمل میں کود گئے اور اس فریضۂ منصبی کو بحسن وکمال انجام دیا۔ قرآنی وحدیثی علوم کی ترویج واشاعت کی جانب دیکھئے، تو یہی حضرات یہاں کام کرتے دکھائی دیں گے، معروفات اور اہل حق کے نظریات کی اشاعت کے مسئلہ کی جانب دیکھئے، تو یہی حضرات اس میدان میں نظر آئیں گے اور منکرات و بدعات کی روک تھام اور اہل باطل کے غلط نظریات کی تردید کا مسئلہ درپیش ہو، تو وہاں بھی ان ہی کی ہستیوں کو سربکف دیکھا جاسکے گا۔

چراغوں کی لو سے ستاروں کی ضو تک
تجھے ہم ملیں گے جہاں رات ہوگی

اور وہ حضرات بزبان حال یہ کہتے ہیں کہ

مرے ہم ضمیر بلبل ، ترا مرا ساتھ ہی کیا
ترا درد دردِ تنہا ، مرا غم غمِ زمانہ

اور یہ بات ایسی کھلی ہوئی اور روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس کے لئے دلائل و براہین قائم کرنا، ایک امر فضول معلوم ہوتا ہے؛ تاہم مناسب لگتا ہے کہ کچھ امور پر مختصر لکھا جائے؛ تاکہ ناواقف کو علم ہو جائے۔

عیسائی پادریوں کا فتنہ اور اس کا تعاقب

دار العلوم دیو بند کا قیام جس دور میں ہوا ہے، وہ ملت اسلامیۂ ہند کے تعلیمی و

تہذیبی اضمحلال اور سیاسی وفکری زوال کا دور تھااور یہاں مسلمان مظلومیت و مغلوبیت کا شکار ہورہے تھے، مسلمانوں میں احساس کمتری اوراپنے دین و مذہب کے سلسلے میں بے اعتمادی پیدا ہوگئی تھی اوراس کو دیکھ کرایک جانب عیسائیت اور انگریزی حکومت نے اہل اسلام کوعیسائی بنانے اورکفروارتداد کے گڑھے میں ڈھکیلنے کی مہم کا آغاز کردیا تھااور جگہ جگہ ان کے پادری لوگ کھلے عام؛ یہاں تک کہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہوکرعیسائیت کی تبلیغ اوراسلام کی تردید کرنے لگے تھے۔اور اسی کے ساتھ مشنری اسکولوں اورمشنری ہسپتالوں کے ذریعہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو عیسائی بنانے کی کوششیں ہورہی تھیں۔

اس کو دیکھ کر بلا کسی خوف کے علماء اسلام کھڑے ہوگئے اورسب سے اول اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پیش قدمی کی اورآپ نے ان کے سب سے بڑے پادری سے متعدد مناظرے کئے اور موجودہ انجیل کا محرف ہونا ثابت کیا اوراس کوشکست فاش دی اورعیسائیت کی تردید وابطال میں متعدد کتابیں لکھ کراپنے فرض منصبی کوادا فرمایا۔

اسی طرح حضرت قاسم الخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ بانی دار العلوم دیوبند نے بھی عیسائیت کی تردیداوراسلام کی حقانیت کے اثبات کے لئے بھر پور کام کیا اورمیلۂ خداشناسی کے تاریخی موقعہ پرتمام اہل مذاہب کے درمیان اسلام کی حقانیت و دیگر مذاہب کے بودہ ہونے پروہ معرکتہ الآراءتقریر فرمائی کہ سارے لوگ مبہوت رہ گئے۔

آریہ سماجی فتنہ اور علماء کا اس کے خلاف محاذ

دوسری جانب ہندو و آریہ قوموں کی طرف سے بھی اسلام پر اعتراضات و

الزامات لگا کر اس کی شبیہ کو مسخ کرنے اور اہل اسلام کو اس سے بدظنی میں مبتلا کرنے کی کوشش وسازش ہونے لگی؛ خصوصاً پنڈت دیانند سرسوتی اور پنڈت منشی اندرمن نے اس دور میں اسلام کے خلاف زہر اگل کر اپنے دلوں کی ناپاکی وکڑوے پن کا مظاہرہ کیا۔ اول الذکر نے اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں جس انداز سے اسلام کو ہدفِ تنقید بنایا اور جس لب ولہجے میں اس پر گفتگو کی تھی، وہ انتہائی اذیت ناک اور اشتعال انگیز تھی۔ اسی طرح ثانی الذکر نے متعدد کتب لکھ کر یہی کام کیا تھا، جس نے اہل اسلام میں اشتعال پیدا کر دیا؛ یہاں تک کہ اخبارات میں اس کے خلاف احتجاج ہوا، پھر عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ ہوا اور آخر الامر ان کتابوں کی ضبطی کا حکم عدالت کو دینا پڑا۔ اس وقت بھی اہل علم حضرات کھڑے ہوئے اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا اور اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض انجام دیا؛ چنانچہ رڑکی کے مسلمانوں کی گزارش پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنے شاگردوں میں سے حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی اور حضرت مولانا حافظ عبد الاحد صاحب رحمہم اللہ کو پنڈت دیانند کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے روانہ کیا؛ لیکن جب پنڈت نے ان سے مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا، (جو در اصل اس کی شکست تھی) تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے باوجود علالت کے رُڑکی کا سفر کیا اور پنڈت کو مناظرے کی دعوت دی؛ مگر وہ آپ سے مناظرے کی ہمت نہ کر سکا اور حیلے بہانے بناتا رہا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ رڑکی کے مختلف عام مجامع میں حقانیت اسلام پر تقاریر کریں اور پنڈت کے اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیں اور خود آپ نے بھی اس سلسلے میں لاجواب تقریر کر کے اس فرض کو ادا فرمایا۔

اسی طرح جب پنڈت دیانند نے رڑکی کے بعد میرٹھ میں وہ سب کچھ کیا، جو رڑکی میں کیا تھا، تو وہاں بھی حضرت نانوتوی پہنچ گئے اور خود اس کی قیام گاہ پہنچ گئے؛ مگر وہ کسی طرح مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوا۔

الغرض جب پنڈت دیانند سرسوتی کی جانب سے مناظرے و مباحثے سے راہ فرار اختیار کی گئی، تو تقاریر اور تحریرات کے ذریعہ اس کے پیدا کردہ شبہات کا انتہائی مدلل و مفصل جواب دیکر اسلام کا حق و سچ ہونا ثابت کر دیا گیا، جس کے نتیجہ میں الحمدللہ اس کی ہمت ایسی ٹوٹی کہ سر نہ اٹھا سکا اور اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

شدھی و سنگھٹن کا فتنہ اور علماء کی اس کے خلاف سرگرمیاں

پھر اسی آریہ سماج کے دور ثانی میں سوامی شردیانند کی جانب سے ایک اور فتنہ پیدا کیا گیا، جو بڑا خطرناک تھا، جس کو شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کہا جاتا ہے، جس میں جگہ جگہ مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنایا جا رہا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسلمان پہلے ہندو تھے، ان کو مسلمانوں نے زبردستی مسلمان بنایا تھا، اب ان کو دوبارہ ہندو بنایا جائے گا۔ اس فتنہ نے ملک کے طول و عرض میں مختلف جگہ سر اٹھایا اور بہت سے مسلمانوں کو مرتد بنا دیا۔ اس وقت بھی علماء اہل حق اس کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگاتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور اس کا مقابلہ کیا۔

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند اور دار العلوم دیوبند کے ارباب نے سب سے پہلے اس سلسلے میں جد و جہد شروع کی اور اپنی جانوں پر کھیل کر اس فتنہ کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا، اور اس میں جمعیۃ علماء کی جانب سے پیش پیش حضرت اقدس مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عبد الحلیم صدیقی رحمہم اللہ تھے، جنھوں نے مختلف

خطوں اور علاقوں میں مبلغین حضرات کے وفود بھیجے اور دارالعلوم دیوبند نے اس وقت چوبیس مبلغین کا وفد اس کام کے لئے بھیجا۔ اور لوگوں کو دوبارہ اسلام کی طرف لانے و مشرف باسلام کرنے کی تحریک جاری کی، نیز اس کی خاطر جگہ جگہ مکاتب اسلامیہ قائم کر کے بچوں کو اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد و مسائل سے واقف کرایا گیا۔ اسی طرح حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی اس سلسلے میں وفود بھیجے، جس میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ و حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ پیش پیش تھے۔ نیز اسی دور میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ نے ''مجلس دعوۃ الحق'' قائم کی اور مبلغین کا ایک منظّم سلسلہ قائم کیا اور اس فتنہ کے استیصال کے لئے کام کیا۔

قادیانیت اور اس کا مقابلہ

ایک جانب اسلام کو اور اہل اسلام کو کمزور کرنے کی یہ کوششیں تھیں، تو دوسری جانب انگریزوں نے اہل اسلام میں رخنہ پیدا کرنے اور ان کو کاٹنے کی سازش کے طور پر ایک جھوٹے نبی مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے دعویٰ نبوت کے ساتھ کھڑا کر دیا، جس نے ان انگریزوں کے اشاروں پر امت کو تقسیم کرنے اور اسلام سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ہٹانے کی کوشش بڑے پیمانے پر شروع کر دی۔ کتابوں، رسالوں اور پمفلٹوں کے ذریعہ ہندوستان بھر میں ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا اور بہت سے لوگوں کو مرتد بنانے میں کامیاب ہوتا گیا۔ پھر اس کے بعد اس کے خلیفہ اول حکیم نور الدین پھر خلیفہ ثانی بشیر الدین محمود

وغیرہ کے زمانے میں بھی اس کی یہ تحریک زبردست پیمانے پر چلتی رہی اور اہل اسلام کی بے ایمانی وارتداد کا ذریعہ بنتی رہی۔

اس فتنے کی سرکوبی کے لئے بھی اہل علم حضرات نے روز اول سے جدوجہد جاری فرمادی تھی۔اولاً اس فتنے کی اصلیت کو واضح کرنے کے لئے اور اسلام کے نام پر کفر کی دعوت و پیغام کی سازش کو طشت از بام کرنے کے لئے علماء نے متعدد فتوے تحریر کئے۔دارالعلوم دیوبند، خانقاہ رائے پور، مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون، سہارنپور، ندوۃ العلماء وغیرہ سے یہ فتوے لکھے گئے اور مشتہر کئے گئے، نیز ان کے مبلغین سے مناظروں ومباحثوں کے ذریعہ بھی اس کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوشش کی گئی، نیز ان کی جانب سے دئے گئے مباہلے کے چیلنجوں کا بھی بھرپور جواب دیا گیا ،نیز اس فتنے کے خلاف کتابیں ورسائل ومضامین ومقالات بھی خوب لکھے گئے۔

اوراس فتنے کی سرکوبی کے لئے مختلف علاقوں اور جماعتوں وطبقوں کے علماء و مشائخ اوراہل دین حضرات پوری مستعدی کے ساتھ کھڑے ہوگئے، جیسے مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا انواراللہ خان صاحب حیدرآبادی، وغیرہ، اور علماء دیوبند تو سب کے سب اس میں لگے ہوئے تھے؛ بالخصوص حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی وحضرت مولانا انور شاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند اوران کے شاگرد حضرات جن میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا یوسف بنوری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات پیش پیش تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ لکھتے ہیں کہ

”خصوصا ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اوران لوگوں کو جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے، اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا؛ خصوصا حضرت

الاستاذ سید محمد انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس وتدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اسی فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرت نے ہم تینوں (مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ) نوعمر مدرسوں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ (آگے لکھتے ہیں کہ) اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ فرما رہے تھے، عام مسلمانوں میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا، تجویز کیا، اس دورہ میں ہم تینوں کو حضرت کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں یہ تجویز ہوا کہ سالانہ ایک جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے، جس میں مرزا کے اوہامِ باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے۔

(بیس علماء حق، تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی: ۲۱۷-۲۱۸)

الغرض علماءِ حق نے قادیانیت زدہ علاقوں کے دوروں، بیانات وتقاریر اور کتابوں ورسائل کے ذریعہ ملک کے گوشے گوشے کو اس فتنے سے واقف کرا دیا اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پمفلٹ وجرائد، کتابیں ورسائل، جن میں چھوٹے بڑے متوسط ہر قسم کے ہیں؛ یہاں تک کہ ضخیم سے ضخیم کتابیں بھی ہیں، ہزاروں کی تعداد میں لکھیں وشائع کی گئیں، اور ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلائی وپہنچائی گئیں۔ لیکن ایک کام یہ ضروری تھا کہ اس خلافِ اسلام تحریک کا اسلامی عدالتوں کے

ذریعہ غیر اسلامی ہونا ثابت و باور کرادیا جائے اور اس کے ماننے والوں کو اسلام سے خارج و مرتد قرار دیدیا جائے ؛چنانچہ وہ دور بھی آیا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ،حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوری رحمہ اللہ ،مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ،مولانا نجم الدین رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے مقدمۂ بھاولپور میں خود شریک ہوکر مرزا کے اور مرزائیوں کے کفر پر صریح وواضح دلائل قائم کر دئے اور بھاول پور کی مسلم ریاست کی عدالت نے اس بنیاد پر قادیانیت کو کفر کے مترادف اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

پھر جب تقسیم ہند کے بعد قادیانیت کا مرکز ہندوستان سے پاکستان میں ربوہ مقام پر منتقل ہوگیا اور مرزا البشیر الدین محمود نے بڑے بلند عزائم کے ساتھ اس کو مرکز بنایا تھا اور حالات بھی بظاہر اس کے موافق تھے؛ کیونکہ وہاں کے کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کے بڑے ذی اثر لوگ حاوی تھے؛حتی کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان بھی قادیانی تھا ؛تو پھر وہاں بھی حضرات علماء نے بالخصوص عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ ، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ ، مولانا احسان اللہ شجاع آبادی رحمہ اللہ ،مولانا محمد شریف بھاول پوری رحمہ اللہ ، مولانا عبد الرحیم اشعر رحمہ اللہ ، مولانا عبد الرحمان میانوی رحمہ اللہ ، علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ ،مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے اور ان کی کفر سازی کی مہم کے توڑنے کی کوششیں شروع کردیں۔اور نہ صرف پاکستان کی حد تک؛ بلکہ پورے عالم اسلام میں قادیانیت کی ناپاک تحریک سے وہاں کے سربراہوں کو اور معتبر تنظیموں کو واقف کرانے کی مہم

زوروں کے ساتھ جاری کی گئی؛ یہاں تک کہ رابطۂ عالم اسلامی نے بھی اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دی اور اپنے اجلاس منعقدہ ربیع الاول ۱۳۹۴ مطابق اپریل ۱۹۷۴ مکہ مکرمہ میں قادیانیت کو ایک خطرناک باطل مذہب اور ان لوگوں کو کافر و خارج از اسلام قرار دیا۔

پھر علماء نے عوامی تحریک کے ساتھ حکومت پاکستان سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا، جو بڑی آزمائشوں، قربانیوں، گرفتاریوں، اذیتوں کے بعد منظور ہوکر بھٹو کے دور حکومت میں پاس ہوا۔

شیعیت کا فتنہ اور اس کا مقابلہ

ہندوستان میں متعدد شیعی حکومتیں رہیں، جن کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں شیعیت کے جراثیم پھیل گئے اور گاؤں گاؤں میں علم کشائی و تعزیہ داری، عاشور خانے، ماتمی مجالس، صحابہ پر تبرابازی، محرم میں شہادتِ حسین کی مجالس وغیرہ کا ایسا عام رواج ہوگیا کہ اہل سنت بھی بلا کسی تذبذب وادنی تامل ان امور کو انجام دیتے تھے اور آج بھی بہت سے علاقوں میں یہ صورت حال قائم ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ شیعہ مجتہد خوب خوب صحابہ پر تبرابازی کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھ لکھ کر اہل سنت پر تیشے چلاتے تھے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔

ہمارے علماء نے اس فتنے کے استیصال کے لئے بھی ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہم اللہ وغیرہ نے مناظروں اور کتب و رسائل کے ذریعہ عوام کو حقائق سے واقف کرایا اور ان باطل رسومات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

جاہلانہ بدعات ورسومات کا فتنہ

پھر ایک جانب علماءسوء وجھوٹے صوفیوں وپیروں نے اہل اسلام کے مابین طریقت وحقیقت وتصوف کے ناموں سے اختلافات ونزاعات قائم کردئے اور بدعات وشرکیات، لغویات وخرافات کو دین اسلام میں داخل کرنے کی ناپاک کوششیں جاری کردی تھیں، جس سے امت کا شیرازہ منتشر اور اہل سنت کی ڈگر سے ہٹتا جارہا تھا اور مختلف قدیم وجدید فرقوں نے اہل سنت کی شناخت ختم کردی تھی۔

حضرات علماء نے محسوس کیا کہ امت کی اس بے راہ روی وبگاڑ میں سب سے زیادہ دخل علم دین سے دوری وبعد ہے ؛ لہذا اس کے لئے جگہ جگہ منصوبہ بند طریقے پر مکاتب دینیہ اور مدارس اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا؛ تاکہ علم کی روشنی سے لوگوں کو عقائد واعمال کا صحیح رخ معلوم ہو اور وہ حق وباطل، اچھے وبرے میں فرق وامتیاز کرسکیں۔ چنانچہ مکاتب ومدارس کا ایسا جال بچھایا گیا کہ شہر تو شہر، گاؤں اور دیہات کی فضا بھی اس سے محروم نہ رہی اور علم کی روشنی گھر گھر پہنچ گئی۔ لوگ عقائدِ صحیحہ، بدعت وسنت، حق وباطل، اچھے وبرے میں امتیاز کرنے لگے، دین کا ذوق وشوق پیدا ہوا، عوام میں دینی بیداری پیدا ہوئی۔ مدارس میں علماء وفضلاء کی کھیپ تیار ہونے لگی۔ جو عوام میں جاکر دین کا کام ودعوت الی اللہ وتبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں۔

اور دوسری جانب لوگوں کو عملی زندگی سے وابستہ کرنے کے لئے اور اپنی اصلاح کی جانب متوجہ کرنے کے لئے خانقاہی نظام بھی وجود میں لایا گیا، جہاں لوگوں کو اہل اللہ کی صحبتوں سے استفادے کا موقعہ ملتا تھا اور تصوف وحقیقت کی صحیح تعبیرات اور طریقت وولایت کے واقعی مفاہیم سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہوتی تھی اور جاہل

پیروں وجھوٹے مشائخ کی دین میں دھاندلیاں اور دھوکہ بازیاں لوگوں کے سامنے آشکارا ہوجاتی تھیں۔

پھر کتب ورسائل اور فتاوی ومسائل کے بیان سے، نیز عوامی سطح کے مواعظ و تقاریر سے بھی لوگوں کی مشرکانہ رسوم ومجرمانہ بدعات کے خلاف ذہن سازی کی گئی۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا اسماعیل شہید، حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ وغیرہ نے مجاہدانہ طریقے پر کام کیا اور لوگوں کو حقیقت سے واقف کرایا۔

اور اسی سلسلے میں حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ نے عوامی اصلاح کے لئے ''دعوت وتبلیغ'' کی ایک تحریک جاری کی؛ تاکہ ان پڑھ قسم کے لوگ بھی دین سے ناواقف نہ رہیں اور اہل علم واہل دین بھی اس سے جڑ کر دین سیکھنے سکھانے کا کام کریں؛ تاکہ ایک عام وآسان طریقہ قائم ہوجائے، جو عوام الناس کے لئے نہایت مفید ہو۔

یہ تینوں سلسلے: مدارس، خانقاہیں، اور دعوت وتبلیغ اسی اصلاحی وتعلیمی مہم کے مختلف راستے وطریقے ہیں اور علماء کی دوررس نگاہوں نے اپنے اپنے وقت پر ان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، ان کو جاری کیا تھا؛ تاکہ جہالت وضلالت کے بادل چھٹ جائیں اور امت کے افراد حق وباطل میں امتیاز، اچھے وبرے میں فرق، اور سنت وبدعت کی پہچان کرسکیں اور گمراہیوں سے بچیں اور دین کی صاف وشفاف شاہراہ وصراط مستقیم پر چل کر نجات پاسکیں۔

یہ احقاق حق وابطال باطل کا نہایت مختصر تاریخی جائزہ ہے، جس سے ایک جانب امت کے حالات کا علم بھی ہوتا ہے اور دوسری جانب علماء واکابر کا احقاق حق و

ابطال باطل کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنے اور ہر طرح کی قربانیاں دینے کا جذبہ بھی سامنے آتا ہے۔

بنگلور و کرناٹک کے اضلاع میں بدعات و شرکیات کا ماحول اور علماء حق کے کارنامے

بنگلور اور کرناٹک کا علاقہ بعض اعتبارات سے ترقی یافتہ اور علوم عصریہ وفنون دنیویہ کے لحاظ سے دیگر شہروں وصوبوں کے مقابلے میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود، دینی لحاظ سے ایک گونہ کمزوری وضعف کا شکار رہا ہے، جس کے نتیجے میں شہر بنگلور اور صوبے کے مختلف علاقوں اور گاؤں گاؤں میں ایک طویل زمانے سے بدعات وشرکیات کا ایک طوفان بدتمیزی برپا رہا ہے۔

مزارات اولیاء اللہ پر نذر و نیاز و فاتحہ، صندل و عرس، طواف وسجدے، گانا بجانا، کھیل وتماشے وغیرہ بدعات وشرکیات کا لمبا چوڑا سلسلہ جاری تھا۔ وہاں مرادیں مانگنے، چادریں چڑھانے، رورو کر دہائیاں دینے کی مشرکانہ فضا قائم تھی۔

ہر مسجد و دینی ادارہ بدعات کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، کہیں اذان واقامت کے شروع میں درود شریف، کہیں پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کے بعد دو دو دعائیں، کہیں چیخ چیخ کر دعائیں، دعاء میں ''الفاتحۃ'' اور آیت کریمہ'' یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً'' پڑھنے کا لزوم، کہیں مساجد میں بعد فجر سلام کی محفلیں، محرم کے مہینے میں ابتدائی دس دنوں میں ایصال ثواب کی مجلسیں، نیز جنازے کی نماز سے پہلے بعض جگہ امام کو میت کے گناہوں کو اپنے سر لینے کا اقرار واعتراف، ربیع الاول میں بارہ دنوں تک سیَر شریف پڑھنے کا اہتمام، جمعہ میں اردو میں خطبے کا رواج، بعض

خاص خاص راتوں جیسے لیلۃ القدر وشب برأت وغیرہ میں مساجد کو چراغاں کرنے اور پھولوں سے سجانے کا رواج وغیرہ امور پوری شدت کے ساتھ جاری وساری تھے۔

اور گھر گھر میں مختلف قسم کے رسوم ورواجات کا چلن تھا، جمعہ وجمعرات کی فاتحہ وغیرہ کی رسم، پیدائش کی الگ رسمیں، عقیقہ کی الگ رسمیں، چھٹی کی رسمیں، بسم اللہ خوانی کی رسمیں، اسی طرح منگنی وشادی بیاہ کی الگ رسمیں، موتی کے موقعہ کی الگ رسمیں۔

پھر مختلف مہینوں کی مختلف رسمیں: محرم میں پنجے وتعزیے وعلم اور کھچڑے، چونگے کی رسمیں، رمضان کی آخری جمعہ کوالوداع کی رسم، شعبان میں شب برأت کا حلوہ اور گھروں کی لپائی پتائی، ربیع الاول میں بارھویں کے نام سے جلسے وجلوس۔ جس میں ہرقسم کی بے راہ روی وخلاف شرع کام ہوتے ہیں۔ ربیع الثانی میں گیارھویں کا رواج، رجب میں کونڈے کی رسم، عید وبقرعید کی رسمیں وغیرہ، ان سب بدعات و بے اصل باتوں نے دین وشریعت کا پورا حلیہ ہی بگاڑ رکھا تھا۔

نیز شریعت وسنت پامال ہورہی تھی، قرآن وحدیث کے علوم کا کوئی خاص رواج وچلن نہیں تھا، لوگ علم سے کوسوں دور؛ بلکہ ایک حد تک نفور تھے، عموماً حفاظ وعلماء کا وجود نہیں تھا، مساجد میں ائمہ عموماً غیر علماء وغیر حفاظ تھے۔ جو کسی سرکاری ڈپارٹمنٹ سے ریٹائرڈ یا حالات کے مارے ہوئے لوگ ہوتے تھے۔ اس لئے رمضان میں تراویح وبیان کے لئے اور اسی طرح خاص خاص موقعوں پر باہر سے اسی بدعتی ذہن کے علماء آکر عوام الناس کو مزید بدعات وشرکیات کے دلدل میں پھنسا جاتے تھے۔

ان بدعات، رسومات ورواجات میں عوام وخواص اس قدر کثرت وشدت کے

ساتھ مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا، ان کے لئے مشکل تھا اور فرائض وواجبات شرعیہ میں کوئی فرق آجائے، تو آجائے؛ مگران بدعات ورسومات میں کوئی فرق کرنا گوارانہیں تھا اوران کے خلاف کہنے والے کوسخت ترین مجرم وخداو رسول کا گستاخ سمجھا جاتا تھا۔

ان حالات وکوائف میں اہل حق علماء واہل دین حضرات کی ایک مختصر وقلیل جماعت نے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کئے بغیر دین حق وشریعت حقہ کی اشاعت وحفاظت اوران بدعات وخرافات کی بیخ کنی کے لئے اپنے آپ کومیدان میں ڈال دیا اور ہرطرح کی اس سلسلے میں قربانیاں دینے کا عزم کرتے ہوئے کام و محنت شروع کردی۔

حضرت مولانا ابوالناصر ذاکرحسن عبیدی رحمہ اللہ اورحضرت مولانا عبد الجمیل خطیب باقوی رحمہ اللہ ، وغیرہ اکابر نے اس سلسلے میں پیش قدمی فرمائی اورحق وباطل اورسنت وبدعت میں فرق وامتیاز کاسبق پڑھایا۔سب سے پہلے مسجد بیداہل سنت والجماعت سے حضرت مولانا عبدالجمیل الخطیب باقوی نے نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی ''فاتحہ مروجہ'' کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہ زمانہ وہ تھا، جبکہ جمعیت بید کے صدر جناب اے دستگیر خان صاحب تھے، ادھراس پرعوام الناس کی جانب سے بڑاسخت مقابلہ ہوا اور پھرمختلف مدارس واداروں اور دارالافتاؤں سے اس سلسلے میں فتاوی منگوائے گئے اورایک دو کے سواتقریباسبھی اہل فتوے نے اس رسم کوبدعت وناجائزقرار دیا۔

نیز حضرت مولانا عبیدی صاحب رحمہ اللہ اورحضرت مولانا عبدالجمیل صاحبؒ کی مساعی جمیلہ سے اس علاقے میں اکابردیوبند کی آمدورفت کاسلسلہ بھی

جاری ہوا، سب سے پہلے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تشریف آوری ہوئی، پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا ورودِ مسعود ہوا پھر ان حضرات نے اس علاقے میں محنت کے لئے حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب رحمہ اللہ مبلغ دارالعلوم دیوبند کو بھیجا، وہ سال بہ سال یہاں آتے رہے اور یہاں کی بدعت آشوب فضا کو سنت وشریعت کے رنگ میں رنگنے کی محنت جاری فرمائی اور آپ سے یہاں بڑا فائدہ ہوا، مختلف قسم کی بدعتوں پر قدغن لگی، عوام آپ کے حق نما بیانات وخطابات سے متاثر ہوتے اور بدعات سے توبہ کرتے؛ یہاں تک کہ الحمد للہ بدعت کی جگہ سنت کی فضا قائم ہونے لگی اور اسی درمیان میں اور بھی متعدد اکابر دیوبند کی آمد ہوتی رہی، جیسے حضرت مولانا نور محمد ٹانڈوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی رحمہ اللہ وغیرہ، جن کی ذوات نے جہاں ایک جانب حق کو واضح کیا اور سنت و بدعت میں فرق کیا، وہیں لوگوں کو اکابر دیوبند اور ان کے مسلک ومشرب سے بھی آگہی بخشی۔

حضرت مولانا ذاکر حسن عبیدی رحمہ اللہ نے اسی سلسلہ میں ایک مجلس بنام ''مجلس تحفظ شریعت'' قائم فرمائی، جس سے متعدد کام انجام پاتے رہے: ایک تو یہ کہ اکابر علماء کو بلا کر ان سے خطابات وبیانات کرائے جاتے اور لوگوں کے اندر کی عقائد واعمال کی کجیوں کو دور کرنے کی فکر کی جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ اصلاحی پمفلٹ اور رسائل شائع کئے جاتے تھے۔ تیسرے یہ کہ معاشرے میں مروج بدعات و رسومات پر لوگوں کو متنبہ کیا جاتا تھا۔

نوٹ : معلوم ہونا چاہئے کہ ''مجلس تحفظ شریعت'' کے نام سے اب جو تحریک جاری ہوئی ہے، وہ دراصل حضرت مولانا عبیدی صاحب علیہ الرحمہ کی جاری کردہ تحریک ہی کی نشاۃ ثانیہ ہے۔

اور دوسری جانب حضرت مولانا عبدالجمیل صاحب باقوی نے اپنے خطبات و تقاریر سے بھی اور تحریروں کے ذریعہ سے بھی اصلاحی ودعوتی مہم چلائی، اور اسی سلسلے میں یکے بعد دیگرے ''روشنی'' و ''خطیب'' کے نام سے دو اخبارات جاری فرمائے اور ان سے بھی اس اصلاحی جدوجہد میں کام لیا۔

پھر تبلیغی جماعت کے کام ونظام نے جو حق کو فروغ دیا، معروفات وسنتوں کا چلن عام کیا، لوگوں میں دینی شعور و بیداری پیدا کی، اس کا اثر بھی کھلی آنکھوں دیکھا گیا اور ایک عمومی دینی فضا کو قائم کرنے میں اس نے ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔

اس دور میں اہل بدعت کی جانب سے بڑا شور و ہنگامہ کیا گیا اور ان اکابر علماء اور ان کے ساتھ دینی حلقوں سے جڑے ہوئے افراد، وتبلیغی نظام سے لگے ہوئے لوگوں کو گستاخ رسول و گستاخ اولیاء کے القاب سے نوازا گیا، ان پر ظلم وتشدد کی راہیں بھی اختیار کی گئیں، ان کو مساجد سے نکالا گیا، زدوکوب کے واقعات پیش آئے؛ حتی کہ حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے خطابات کے موقعہ پر عوام الناس کے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے ان لوگوں کی جانب سے ''ناروا حرکات'' کی گئیں، جیسے کسی جگہ مجمع میں گائے لاکر لوگوں کے درمیان میں بھگا کر چھوڑ دی گئی اور کہیں کتوں کو مجمع میں دوڑایا گیا؛ تاکہ لوگ مجمع سے منتشر ہو جائیں؛ مگر اہل حق نے اپنے عزم وحوصلوں کا ریکارڈ قائم کر دیا اور حق کے لئے ڈٹے رہے اور بے پناہ مساعی جمیلہ اور عظیم قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا، جس کے بعد یہاں پر حق

واہل حق کے لئے راہیں ہموار ہوئیں اور بنگلور علم وعلماء کا گہوارہ، متعدد علمی، دعوتی وتبلیغی تحریکات کا مرکز اور مدارس ومکاتب کا منبع بن گیا اور ان حضرات اکابر کی وجہ سے یہاں ایک صالح معاشرہ کی تشکیل ہوئی، بدعات کے مقابلے میں سنتوں کا رواج ہوا اور ایک حد تک حق کا بول بالا ہوا۔

علماء حق کی جانب سے اہلِ باطل کا تعاقب

یہاں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ علماء حق نے ہمیشہ سے اہل باطل کے خلاف انکار وتردید کا فریضہ انجام دیا ہے اور ان فرقوں کی نشاندہی بھی کی اور اس سلسلے میں ابو الحسن اشعریؒ کی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' اور علامہ ابن حزم ظاہریؒ کی کتاب ''الفصل فی الملل والاھواء و النحل'' اور علامہ عبد الکریمؒ الشہرستانی کی ''الملل والنحل'' اور علامہ عبد القاہرؒ کی ''الفرق بین الفرق'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نیز علماء نے ان فرقوں اور ان کے مختلف عقائد ونظریات کے رد میں بھی قابل لحاظ کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہاں اس سلسلے کی چند اہم کتب کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ نے ''کتاب الایمان'' لکھی۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے ''کتاب السنة'' و ''کتاب الایمان'' لکھی۔ امام طحاویؒ نے ''العقیدة'' لکھی۔ امام عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ الجعفیؒ نے ''کتاب الرد علی الجھمیه'' لکھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ''الرد علی الجھمیه و الزنادقه'' لکھی۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے امام عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ نے ''السنة'' لکھی۔ امام بخاری نے ''خلق افعال العباد'' اور ''الرد علی

الجھمیہ'' لکھی۔امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے'' الاختلاف فی اللفظ ''اور'' الرد علی الجھمیة والمشبھه'' لکھی۔ امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ نے''الرد علی الجھمیة''لکھی۔امام ابوبکر الاثرم رحمہ اللہ نے ''کتاب السنة''لکھی۔اسی طرح امام ابوداود رحمہ اللہ نے''السنة''اورامام ابوعلی حنبل بن اسحاق رحمہ اللہ نے''السنة''لکھی۔

اسی طرح امام ابو بکر احمد بن عمرو الشیبانی رحمہ اللہ نے'' السنة ''لکھی۔امام دارمی رحمہ اللہ نے''الرد علی الجھمیہ'' اور'' الرد علی بشر المریسی '' لکھی۔امام احمد بن علی بن سعید المروزی رحمہ اللہ نے ''کتاب السنة ''، امام ابن مندہ العبدیؒ نے''التوحید''،''الایمان''، ''کتاب الرد علی الجھمیہ ''اور''کتاب الرد علی اللفظیہ''، امام الخلال رحمہ اللہ نے''السنة ''، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نے''کتاب التوحید ''،امام ابواحمد محمد بن احمد العسال رحمہ اللہ نے'' السنة''،امام طبرانیؒ نے''کتاب السنة ''،امام ابومحمد عبداللہ ابن حبان رحمہ اللہ نے''السنة''، امام ابن بطہؒ نے''الابانة ''،امام ابو بکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ نے ''الشریعة ''،امام ابوالقاسم ھبۃ اللہ اللا لکائیؒ نے''اعتقاد اھل السنة''،امام ابوعمرو احمد بن محمد الاندلسی رحمہ اللہ نے''کتاب الاصول ''،امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے'' منھاج السنة'' شیعہ کے رد میں لکھی۔امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی رحمہ اللہ نے''الحجة فی بیان المحجة'' لکھی۔امام ابو ذر الھروی رحمہ اللہ نے'' کتاب السنة ''، امام بیہقیؒ نے ''کتاب الاسماء و الصفات''،امام ابن ابی یعلیٰؒ نے'' الاعتقاد''لکھی۔نیز امام علی المتقی برھان پوریؒ نے مھدویوں کے رد میں'' البرھان فی علامات

مهدی آخر الزمان'' اور ''الرد علی من حکم و قضی أن المهدی جاء و مضی'' لکھی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ''رد روافض'' لکھی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے ''ازالة الخفاء'' لکھی۔ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے ''تحفہ اثناعشریہ'' لکھی۔ حضرت اسماعیل شہیدؒ نے ''تقویة الایمان'' لکھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ''هدایة الشیعة'' لکھی۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ نے ''الاجوبة الکاملة فی الاسئلة الخامله'' اور اجوبہ اربعین'' اور ''هدیة الشیعه'' لکھی۔

مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے ''هدایات الشیعة'' اور ''مطرقة الکرامة علی مرآة الامارة'' اور ''براہین قاطعہ'' لکھی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بدعات مروجہ کے خلاف ''اصلاح الرسوم'' لکھی اور متعدد مواعظ بیان کئے۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے ''بطلان مذہب شیعہ'' اور تحفہ خلافت'' اور تحفہ اہل سنت'' لکھی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مولانا مودودی کے نظریات کے خلاف ''ایمان وعمل'' اور بریلوی فتنے کے خلاف ''شہاب ثاقب'' لکھی۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے مسئلہ خلقِ قرآن پر ''الکلام الموثوق فی أن کلام الله غیر مخلوق'' لکھی۔

مولانا منظور نعمانیؒ نے ''ایرانی انقلاب، شیعیت وامام خمینی'' اور بریلوی فتنے کے رد میں ''فیصلہ کن مناظرہ'' لکھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے ''ردمودودی'' پر ایک رسالہ لکھا۔ مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ''الاستاذ المودودی'' لکھی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ''صورتان

متضادتان عند اهل السنة والشیعة'' اور'' قادیانیت'' اور'' التفسیر السیاسی للاسلام'' لکھی۔ مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے'' ارشاد الشیعه'' لکھی۔

خاتمہ

دو اہم وضروری تنبیہات

یہاں اخیر میں دو اہم وضروری تنبیہات قابل ملاحظہ ہیں: ایک تو یہ کہ اوپر اکابر واسلاف؛ بالخصوص علماء دیوبند کے بارے میں جو یہ عرض کیا گیا کہ ان حضرات نے منکرات وبدعات کی اصلاح وازالہ اور باطل فرقوں کا تعاقب ومقابلہ کیا، اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان حضرات کی زندگیوں کا صرف یہی ایک کام تھا۔ نہیں؛ بلکہ ان کے بہت سے کارناموں میں سے ایک کام وکارنامہ یہ تھا؛ ورنہ تو یہ حضرات اس کے علاوہ دعوت الی اللہ، احکام دین کی حفاظت واشاعت، معروفات و مأمورات کی تبلیغ، اصلاحِ نفس وتزکیہ اخلاق، علوم شرعیہ کی تعلیم وتدریس، لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے وعظ وارشاد، تفسیر قرآن ودرس حدیث، تعلیم مسائل، وتحقیق عقائد واعمال وغیرہ بے شمار امور پر بھی کام کرتے ہیں۔

لہذا ان اکابر علماء واسلاف کے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ ان حضرات نے صرف منفی پہلو پر کام کیا ہے۔ ہاں! ان کے اور بہت سے کاموں میں سے ایک اہم کام یہ بھی تھا اور ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ بھی حضرات علماء کی ایک ذمہ داری ہے، جس سے اعراض وروگردانی جائز نہیں اور اس سے غفلت موجب وبال ہے۔

یہ سطور لکھنے کے چند دنوں بعد نظر ثانی کے موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک مضمون اسی سلسلے میں نظر سے گزرا، تو بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے بھی تقریباً یہی بات ارشاد فرمائی ہے، جو احقر نے عرض کی ہے۔ آپ کا یہ مضمون بطور تمہید وتعارف حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کی کتاب لاجواب ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' کے ساتھ شائع ہوا ہے اور پھر آپ کے مضامین ''اصلاحی مضامین'' میں بھی شائع کیا گیا ہے، لہذا مناسب معلوم ہوا کہ آپ کا یہ مضمون یہاں بعینہ نقل کر دیا جائے۔ وھو ھذا:

''بعض نے مسلک علماء دیوبند کے جامع اور معتدل ڈھانچے سے صرف کسی ایک جزء کو لیکر بس اسی جزء کو ''دیوبندیت'' کے نام سے متعارف کرایا اور اس کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا۔ مثلاً بعض حضرات نے یہ دیکھ کر کہ حضرات اکابر علماء دیوبند نے ضرورت کے وقت ہر باطل نظریے کی مدلل تردید کر کے اپنا فریضہ ادا فرمایا ہے، بس اسی تردید کو علماء دیوبند کا مسلک قرار دے لیا اور اپنے عمل سے تأثر یہ دیا کہ ''مسلک علماء دیوبند'' صرف ایک منفی تحریک کا نام ہے، جس کے نصب العین میں دین کے مثبت پہلو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ پھر باطل نظریات کی تردید میں بھی مختلف حضرات نے مختلف میدانِ عمل طے کر لئے، جو تقسیم کار کی حد تک تو درست ہو سکتے تھے؛ لیکن بعض حضرات نے ان میں مبالغہ کر کے مسلک علماء دیوبند کے صرف اپنے میدانِ عمل کی حد تک محدود ہونے کا تأثر دیا۔ بعض حضرات نے باطل کی تردید کے اصول کو تو اختیار کر لیا؛ لیکن تردید

کے طریقے میں اکابر علماء دیوبند نے جن اصولوں کی پیروی فرمائی تھی، ان کی طرف کما حقہ التفات نہیں کیا اور بعض حضرات کے طرز عمل سے کچھ ایسا تأثر قائم ہوا کہ مسلک علماء دیوبند بھی (خدانخواستہ) انہی دھڑے بندیوں کا ایک حصہ ہے، جو دنیا میں پھیلی نظر آتی ہیں اور ان کا مسلک یہ ہے کہ اپنے دھڑے کے آدمی کی ہر خطا بھی معاف اور قابل دفاع ہے اور باہر کے آدمی کی ہر نیکی بھی دریابرد کرنے کے لائق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلک علماء دیوبند ان تمام بے اعتدالیوں سے بری ہے۔

(اصلاحی مضامین: ۸۲-۸۳)

دوسری اہم تنبیہ یہ ہے کہ ہمارے اکابرین واسلاف نے بدعات وخرافات کی تردید ہو یا باطل فرقوں کا تعاقب ومقابلہ ہو، حدود شرعیہ وآداب انسانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا ہے، ایسا نہیں کہ حدود شرعیہ کو پامال کرتے ہوئے یا انسانی اقدار و اخلاقی حدود کو پھلانگتے ہوئے کیا ہو۔

جیسے بعض حضرات باطل امور وگمراہ فرقوں کی تردید میں بسا اوقات اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم کسی کی جانب کوئی جھوٹ بات منسوب کر رہے ہیں یا یہ کہ گالی و نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلاف کے طریقے کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات ہماری بات کو بے اثر بنانے میں بھی بڑا رول ادا کرتی ہے۔ اور نہ صرف مخالف کے نزدیک؛ بلکہ خود اپنوں کی نظر میں بھی ہمیں بے وقعت بنا دیتی ہے؛ لہذا ہمیں اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے کہ نہ حدود شرعیہ ہم سے چھوٹیں اور نہ انسانی اقدار کی پامالی ہو۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب

کی فن اصول تفسیر پر بے مثال جامع عربی تصنیف

''نفحات العبیر فی مھمات التفسیر''

طلباء وعلماء اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اس موضوع پر کتابیں یا تو بہت ہی طویل ہیں جن سے استفادہ ایک طالب علم کے لئے دشوار گذار ہوتا ہے یا اتنی مختصر کہ ان کو پڑھنے کے بعد بھی طالبِ علم کو اس فن کے متعلقہ تمام امور سے وابستگی نہیں ہو پاتی۔ اس موضوع کے حوالہ سے اسی کمی نے حضرت اقدس کو اس کتاب کی تصنیف پر آمادہ کیا۔ یہ کتاب متعلقہ تمام ابواب وعناوین پر مشتمل ہونے، مختلف فیہ مباحث میں ٹھوس علمی رائے قائم کرنے، آسان فہم انداز میں ہونے، نیز متقدمین ومتاخرین مفسرین کے مناہج واسالیب اور ان کے علمی کارناموں کے خصائص وامتیازات اور ان کا تجزیہ اور بوقت ضرورت بے لاگ تبصرہ وغیرہ گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے اسلامی کتب خانوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، اس فن کی تقریباً ایک سو چالیس عربی کتابوں کا خلاصہ اور لب لباب ہے، بنابریں ہندوستان اور عرب کے علمی حلقوں کے اساتذہ سے اس کتاب نے خوب دادِ تحسین حاصل کی۔ اور بقول حضرت مولانا خلیل امینی صاحب کہ ''یہ کتاب عصر حاضر میں اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور آسان ہے''۔ یہ کتاب کئی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

اب تک یہ کتاب صرف ہندوستان میں ہی طبع ہوتی رہی؛ لیکن الحمد للہ، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ میں بھی طبع ہوچکی ہے، جو اس کے ساری دنیا میں مقبول ہونے کی علامت ہے۔

خواھشمند احباب رابطہ کریں۔

حضرت اقدس کی جملہ کتابیں مفت ڈاؤن لوڈ کرنے اور دیگر مزید گراں قدر
معلومات کے اضافہ کیلئے ہماری ویب سائٹ پر وزٹ کیجئے۔

www.muftishuaibullah.com

PUBLISHER

Rs. 150/-

MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND

Kharal Gali, Dr Abdurroof Wali Bad Ziya-ul-Haq,
Deoband - 247554 Mobile : +91- 9634307336

MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE

84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile : +91-9036701512
E-Mail:maktabahmaseehulummat@gmail.com